احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

اپریل 2024ء

دنیاوی مصائب و مشکلات
وجوہات اور ان کا حل

اَخلاقی انحطاط کے تدارک میں ایمان کا کردار

دہریت اور لامذہبیت
اعتراضات کا علمی محاکمہ

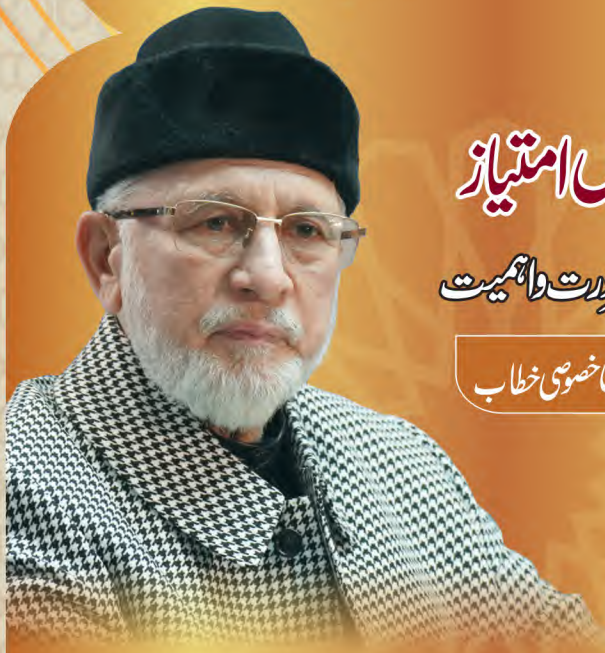

عقائدِ صحیحہ اور باطلہ میں امتیاز

اصول وضوابط کے تعین کی ضرورت واہمیت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و فکری خصوصی خطاب

فریدِ ملت ڈاکٹر فریدالدین قادری رحمۃ اللہ علیہ
ایک عہد ساز شخصیت

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ سندھ

''دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور''، عظیم الشان تقاریبِ رونمائی

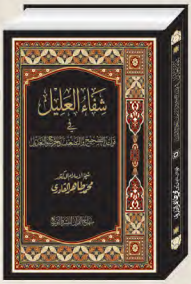

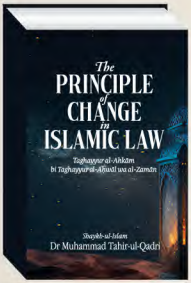

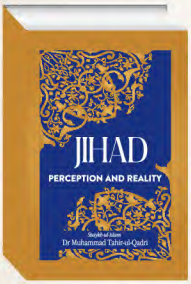

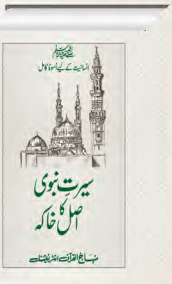

علمی و عملی، اخلاقی و روحانی، تعلیمی و سائنسی، فقہی و قانونی، انقلابی اور فکری و عصری موضوعات پر شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی **625** سے زائد کتب دستیاب ہیں

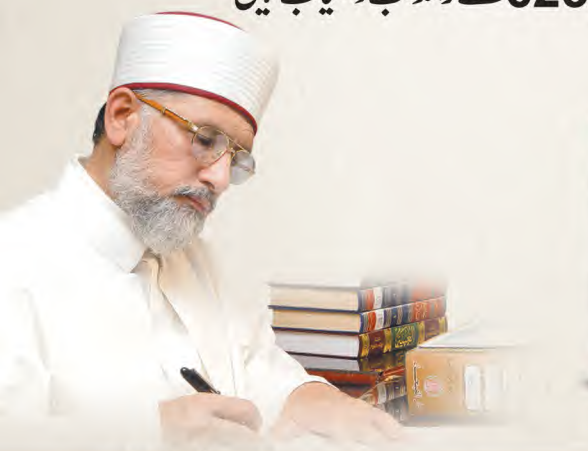

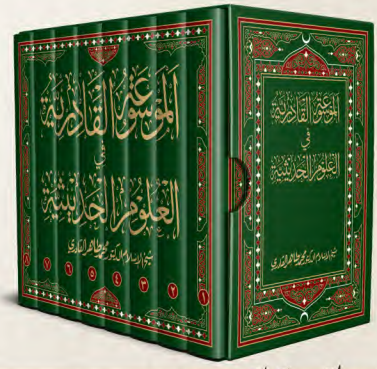

احیائے اسلام اور امن عالم کا داعی کثیر الاشاعت میگزین

ماہنامہ منہاج القرآن لاہور

بفیضان نظر
قدوۃ الاولیاء شیخ المشائخ حضرت سیدنا طاہر علاؤالدین القادری الگیلانی البغدادی قدس سرہ العزیز

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

زیر نگرانی
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری | ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

جلد: 38 / شمارہ: 4
رمضان المبارک / شوال ۱۴۴۵ھ / اپریل 2024ء

چیف ایڈیٹر: نور اللہ صدیقی
ایڈیٹر: محمد یوسف
ڈپٹی ایڈیٹر: محبوب حسین

ایڈیٹوریل بورڈ
محمد رفیق نجم، محمد فاروق رانا
عین الحق بغدادی

مجلس مشاورت
خرم نواز گنڈاپور، احمد نواز انجم، جی ایم ملک
محمد جواد حامد، سرفراز احمد خان، منظور حسین قادری
غلام مرتضیٰ علوی، سید علی عباس بخاری، فیصل حسین شہدی
محمد بلال اُپل، علی عمران، داؤد حسین شہدی

قلمی معاونین
مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی، محمد شفقت اللہ قادری
ڈاکٹر طاہر حمید تنولی، پروفیسر محمد الیاس اعظمی
ڈاکٹر ممتاز احمد سدیدی، ڈاکٹر محمد افضل قادری

حسن ترتیب — خصوصی اشاعت

اداریہ: اتحاد و یکجہتی کی ناگزیریت اور ذرائع ابلاغ کا کردار	چیف ایڈیٹر	3
القرآن: عقائدِ صحیحہ اور باطلہ میں امتیاز	شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری	6
فقہی مسائل: لیلۃ القدر، صدقۂ فطر، عید الفطر	مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی	16
دنیاوی مصائب و مشکلات کے اسباب اور حل	ڈاکٹر حسن محی الدین قادری	21
دہریت اور لامذہبیت (اعتراضات کا علمی محاکمہ)	ڈاکٹر حسین محی الدین قادری	31
اخلاقی انحطاط کے تدارک میں ایمان کا کردار	ڈاکٹر شفاقت علی شیخ	41
اقوام کے عروج و زوال میں اخلاقیات کا کردار	ڈاکٹر نعیم انور نعمانی	50
حضرتِ فریدِ ملتؒ: ایک عہد ساز شخصیت	محمد فاروق رانا	58
خدمتِ قرآن اور شیخ الاسلام	نور اللہ صدیقی	70
ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ سندھ	رپورٹ: مظہر محمود علوی	75

کمپیوٹر آپریٹر: محمد اشفاق انجم | گرافکس: عبدالسلام
خطاطی: محمد اکرم قادری | حکاکی: قاضی محمود الاسلام

قیمت فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

ملک بھر کے تعلیمی اداروں اور لائبریریوں کیلئے منظور شدہ
www.minhaj.info
www.facebook.com/minhajulquran
email:mqmujallah@gmail.com (مجلّہ آفس و سالانہ خریداران)
minhaj.membership@gmail.com (نظامت ممبر شپ/رفقاء)
smdfa@minhaj.org (بیرون ملک رفقاء)

انتباہ!
مجلّہ منہاج القرآن میں آنے والے جملہ پرائیویٹ اشتہار خلوص نیت سے شائع کئے جاتے ہیں
ادارہ کی کسی کاروبار میں شراکت ہے اور نہ ہی ادارہ فریقین کے درمیان کسی بھی قسم کے لین دین کا ذمہ دار ہوگا۔

بدل اشتراک: مشرق وسطی جنوب مشرقی ایشیاء، یورپ، افریقہ، آسٹریلیا، کینیڈا، مشرق بعید جنوبی امریکہ و ریاستہائے متحدہ امریکہ 30 امریکی ڈالر سالانہ

ترسیل زر کا پتہ: اکاؤنٹ نمبر 02930103644000 میزان بینک شالیمار لنک روڈ لاہور پاکستان

ناشر: محمد اشرف قادری، مطبع: منہاج القرآن پرنٹرز 365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور UAN:042-111-140-140 Ext: 128

حمدِ باری تعالیٰ

اے خدائے جمال و زیبائی
خوب ہے تیری عالم آرائی

تو کہاں ہے کہاں نہیں ہے تو
محوِ حیرت ہے تابِ گویائی

سب میں موجود اور سب سے جدا
کون سمجھے یہ رازِ تنہائی!

پارہ پارہ قبائے استدلال
ریزہ ریزہ ہے دامِ جویائی

کیا نظر آئے ما سوا کا جہاں
دیکھ کر تیری شانِ یکتائی

یاس میں، غم میں اور مشکل میں
تیری رحمت ہی سب کے کام آئی

اعظم اس نام سے ہے گلشن میں
زندگی، تازگی و رعنائی

﴿محمد اعظم چشتیؒ﴾

نعتِ رسولِ مقبول ﷺ

رات دن تعمیلِ حکمِ کبریا کرتے ہوئے
ہوں بسر صلِّ علیٰ صلِّ علیٰ کرتے ہوئے

ہو کے کتنے مہرباں تشریف لائے مصطفیٰ
"رَبِّ هَبْ لِیْ اُمَّتِیْ" لب سے ادا کرتے ہوئے

جان جاتی ہے تو جائے غم نہیں، اعزاز ہے
شاہِ دیں کی آل سے ہر دم وفا کرتے ہوئے

ہے تمنا بن کے جاؤں شہرِ آقا میں گدا
روز گزروں اُن کی گلیوں سے صدا کرتے ہوئے

خواب دیدارِ شہِ کون و مکاں ہو بخت میں
عمر گزری ہے خدا سے یہ دعا کرتے ہوئے

ظلمتوں سے پائیں گے عُشاق قبروں میں نجات
چہرۂ آقا سے تحصیلِ ضیا کرتے ہوئے

آخرت میں کاش آقا کی رفاقت ہو نصیب
خُلد میں جائیں ہم ان کو پیشوا کرتے ہوئے

خوش مقدر ہوں مَیں ہمذآنی مرے وجدان میں
"لفظ اترے ہیں محمدؐ کی ثنا کرتے ہوئے"

﴿انجینئر اشفاق حسین ہمذآنی﴾

اداریہ

اتحاد و یکجہتی کی ناگزیریت اور ذرائع ابلاغ کا کردار

سوسائٹی میں اعلیٰ انسانی اقدار کے فروغ اور مثبت تعمیر و تشکیل میں ذرائع ابلاغ کا روز اول سے مرکزی کردار رہا ہے۔ آپ ﷺ کا اسوۂ مبارک ایمان کی عمارت کی خشتِ اول ہے۔ آپ ﷺ نے مصطفوی معاشرہ کی تشکیل و تعمیر میں امانت، دیانت، صداقت کے اخلاقی اصولوں کو سرفہرست رکھا۔ الزام اور دشنام کو اسلامی معاشرہ کی نمو کے ضمن میں زہرِ قاتل قرار دیا۔ آپ ﷺ نے حالتِ امن اور حالتِ جنگ میں بھی ایسی بات نہیں فرمائی جس کا حقیقت سے تعلق نہ ہو۔ اصحابِ رسول ﷺ کی تربیت میں یہ بات بطورِ خاص شامل کر دی گئی تھی کہ جان و مال کی پرواہ کئے بغیر حق گوئی سے کام لیا جائے۔ آج سوسائٹی کے اندر جس قدر فسادات اور تضادات ہیں اُس کی بنیادی وجہ الزام تراشی اور دشنام طرازی ہے۔ مصطفوی تعلیمات کے ذریعے مومنین کو تہمت، عدمِ برداشت اور انتہا پسندانہ رجحانات سے دور رہنے کی تلقین کی گئی مگر افسوس آج وہ تمام جاہلانہ رویے ہمارے رسوم و رواج اور مزاج کا حصہ بن چکے ہیں۔ نتیجتاً سوسائٹی میں اعتدال و رواداری اور اتحاد و یکجہتی کے جذبات ناپید ہیں۔

عہدِ رسالت مآب ﷺ اور خلفائے راشدین کے ادوار میں عمالِ سلطنت، واعظین اور مبلغین کو یہ اجازت نہ تھی کہ وہ غلبۂ حق کے لئے بھی ناحق بات کہیں۔ سچائی اور راست گوئی اُمت کا طرۂ امتیاز تھی۔ اوائل دور میں منبر و محراب ذرائع ابلاغ تھے جہاں سے علم و امن اور محبت و اخوت کے ترانے فضاؤں میں بلند ہوتے تھے۔ افسوس کہ آج یہ اقدار بتدریج زوال پذیر ہیں اور سوسائٹی عدمِ برداشت اور فتنہ و فساد کی آماجگاہ بن چکی ہے۔ اس سارے عمل میں ذرائع ابلاغ کا کردار مرکزی نوعیت کا ہے۔ جب تک منبر و محراب سے اخوت و محبت کی صدائیں بلند نہیں ہوں گی۔ سوسائٹی کا انتشار اور تفریق بڑھتی رہے گی۔ ذرائع ابلاغ میں جہاں الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا، صوتی میڈیا اور سوشل میڈیا شامل ہے، وہاں علمائے کرام کی طرف سے منعقد ہونے والی محافل اور مجالس بھی شامل ہیں۔ ذرائع ابلاغ کے یہ تمام ٹولز جب تک ایک پیج پر نہیں آئیں گے، انارکی میں اضافہ ہوتا رہے گا۔

قرآن مجید جب قیامت تک کے لئے ہر شعبہ کے لئے ذریعہ ہدایت وراہ نمائی ہے تو یہ کیونکر ممکن ہے کہ 21ویں صدی کے ذرائع ابلاغ کے استعمال کی اخلاقیات کے بارے میں کتاب اللہ راہ نمائی مہیا کرتی ہوئی نظر نہ آئے۔ قرآن مجید میں مختلف مقامات پر ایسی 12 ہدایات دی گئی ہیں جو الیکٹرانک میڈیا، پرنٹ میڈیا اور سوشل میڈیا استعمال کرنے والوں کے لئے از بر کرنا لازم ہیں۔ اگر یہ تعلیمات لکھنے اور بولنے والوں کی اخلاقیات کا حصہ بن جائیں تو سوسائٹی امن وراحت کا مرکز بن جائے:

۱۔ اسلام نے ہمیشہ سچ بولنے کی تلقین کی ہے۔ اگر ہم لکھتے اور بولتے ہوئے سچ کا دامن نہ چھوڑیں تو کبھی بھی نفرت اور تعصب کے الفاظ ہماری تحریر اور الفاظ کا حصہ نہ بنیں۔

۲۔ سورۃ الحجرات میں تحقیق پر زور دیا گیا ہے کہ مومنین کے پاس جب بھی کوئی خبر آئے تو وہ اُسے آنکھیں بند کر کے آگے پھیلانے کی بجائے اُس کی صداقت کو پرکھ لیں اور تحقیق کئے بغیر مواد آگے شیئر نہ کریں۔ اگر قرآن کی اس تعلیم پر اس کی روح کے مطابق عمل کیا جائے تو فیک نیوز کا مسئلہ ہمیشہ ہمیشہ کے لئے حل ہو جائے۔ حضور نبی اکرم ﷺ نے کسی بھی کام کو کرنے سے پہلے اُس کی تفصیل معلوم کرنے کی نصیحت فرمائی ہے یعنی کوئی بھی کام عجلت میں نہ کریں۔ یہ عجلت ہماری زندگیوں سے نکل جائے تو سوسائٹی سے شر اور فساد ختم ہو جائیں۔

۳۔ نیت کو اسلامی تعلیمات میں بڑی مرکزیت حاصل ہے۔ ہمارے علماء، مبلغین، واعظین اور صحافی حضرات کو لکھتے اور بولتے ہوئے نیت کو درست رکھنا چاہیے، اس لئے کہ رد عمل؛ عمل کے مطابق وقوع پذیر ہوتا ہے۔

۴۔ اسلام نے فساد فی الارض کو گناہ کبیرہ قرار دیا ہے۔ یہ سوسائٹی کے امن اور اتحاد و یکجہتی کی فضا کو برباد کرتی ہے۔ ذرائع ابلاغ کے ذمہ داران کو ایسی معلومات وائرل کرنے سے گریز کرنا چاہیے جس سے سوسائٹی کا امن برباد ہو اور باہمی اتفاق واتحاد کی فضا مکدر رہو۔

۵۔ اسلام نے شدید الفاظ میں غیبت کی مذمت اور حوصلہ شکنی کی ہے۔ ہم تجزیے اور تبصرے کے نام پر جب کسی فرد، تحریک، جماعت یا گروہ پر ناکافی معلومات کی بنیاد پر تہمت لگاتے ہیں اور بلاجواز تبصرے کرتے ہیں تو وہ غیبت میں آتے ہیں۔ غیبت باہمی اتحاد و اتفاق اور اُمت کے اتحاد کو نقصان پہنچانے کا ایک بہت بڑا ذریعہ ہے۔ ہمیں اپنی معلومات کو غیبت سے پاک رکھنا چاہیے۔

۶۔ اسلامی تعلیمات کی رو سے بہتان ایک بہت بڑا جرم اور گناہ ہے۔ ہمارے واعظین اور صحافی حضرات اگر اپنے افعال و معاملات اور معمول کی گپ شپ کو بہتان سے پاک کر لیں تو اس کے انفرادی اور اجتماعی زندگی پر انتہائی مثبت اثرات مرتب ہوں گے۔ بہتان سے بچنے والے شرمندگی اور محاسبے

سے بھی بچے رہتے ہیں۔

۷۔ قرآن مجید نے فہم و بصیرت سے کام لینے کا حکم دیا ہے۔ لہذا سچ اور جھوٹ میں فرق کرنے کے لئے تنقیدی سوچ کی صلاحیت پیدا کرنا ہو گی۔

۸۔ اسلام نے محاسبۂ نفس پر بہت زور دیا ہے، ہر شخص کو آخرت میں اپنے اعمال کا جواب دینا ہے، اس جواب دہی میں وہ سارے اُمور شامل ہیں جو ہم ارادتاً یا غیر ارادی طور پر انجام دیتے ہیں۔ اس جواب دہی میں وہ تمام باتیں بھی شامل ہیں جو ہم دوسروں کے بارے میں تبصرے کے نام پر کرتے رہتے ہیں۔ اگر محاسبۂ نفس میں کامیابی حاصل کر لیں تو سوسائٹی حقیقی معنوں میں امن کا گہوارہ بن جائے۔

۹۔ اللہ کی ناراضی کے خوف سے ہمہ وقت ڈرتے رہنا تقویٰ ہے۔ جب تقویٰ کسی انسان کے اخلاق اور کردار کا حصہ بن جاتا ہے تو پھر نا سمجھی میں بھی اُس کی زبان، اس کے ہاتھ اور پاؤں برائی سے بچے رہتے ہیں۔

۱۰۔ امر بالمعروف و نہی عن المنکر مصطفوی تعلیمات کا سب سے نمایاں پہلو ہے۔ اگر کوئی شخص اس امر کی نیت باندھ لے کہ اُس نے نیکی کا حکم دینا ہے اور برائی سے روکنا ہے تو مذکورہ بالا تمام نفسی عوارض سے وہ محفوظ و مامون ہو جائے گا۔

۱۱۔ ہر وقت اپنے نفس کا محاسبہ کیا جائے، اپنے کردہ اور ناکردہ گناہوں کی اللہ سے معافی مانگی جائے اور عاجزی اور انکساری اختیار کی جائے۔ جس سوسائٹی کے اندر محاسبہ نفس کا رواج ہو گا وہاں کبھی بے چینی اور بدامنی نہیں ہو گی۔

۱۲۔ انسان کو معاشرے میں نفرت، تعصب اور خوف پھیلانے سے بھی رکنا ہو گا۔ اسی صورت سوسائٹی جنت نظیر بن سکتی ہے۔

معاشرے میں ہر سطح پر رائج فتنہ و فساد بالخصوص موجودہ ذرائع ابلاغ کے ذریعے پھیلنے والے منفی پہلوؤں کے قلع قمع، ان کی اصلاح اور اسلامی تعلیمات و اقدار کے فروغ کے لئے تحریک منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری اور جملہ قیادت مصروفِ عمل ہے۔ تحریک کی جملہ سرگرمیوں اور تعلیمی و تربیتی مساعی کا مرکز نوجوان ہیں۔ منہاج القرآن واحد تحریک ہے جو تضادات کو ابھارنے کی بجائے امن و محبت کے دیپ روشن کر رہی ہے اور بکھری ہوئی اُمت کو کتاب و سنت کے ساتھ جوڑ رہی ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں اپنے کردار و اخلاق کی تعمیر اور مصطفوی معاشرہ کی تشکیل کے لئے قرآن و سنت سے استفادہ کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔ کردار و اخلاق کی تعمیر اور صغیرہ و کبیرہ گناہوں سے بچنے کے لئے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی شہرۂ آفاق کتاب ''حُسنِ اعمال'' کا مطالعہ انتہائی مفید ہے۔

(چیف ایڈیٹر: نوراللہ صدیقی)

القرآن

عقائدِ صحیحہ اور باطلہ میں امتیاز

اصول وضوابط کے تعین کی ضرورت و اہمیت

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کا علمی و فکری خصوصی خطاب

حصہ اوّل

ترتیب و تدوین: محمد یوسف منہاجین

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ الدِّيْنَ عِنْدَ اللهِ الْاِسْلَامُ وَمَا اخْتَلَفَ الَّذِيْنَ اُوْتُوا الْكِتٰبَ اِلَّا مِنْ م بَعْدِ مَا جَآءَهُمُ الْعِلْمُ بَغْيًام بَيْنَهُمْ۔ (آل عمران ۳: ۱۹)

”بے شک دین اللہ کے نزدیک اسلام ہی ہے اور اہلِ کتاب نے جو اپنے پاس علم آ جانے کے بعد اختلاف کیا وہ صرف باہمی حسد و عناد کے باعث تھا۔“

آج کے دور میں خواص، عوام، اعلیٰ تعلیم یافتہ طبقات اور کم تعلیم یافتہ عامۃ الناس خواتین و حضرات تمام کے لیے اسلامی عقائد کے وہ تمام لازمی پہلو جاننا ضروری ہیں جن کے حوالے سے اذہان میں بہت سی غلط فہمیاں، اشکال اور مغالطے پائے جاتے ہیں۔ ان مغالطوں اور اشکالات کے اندھیرے میں جب لوگ پریشان رہتے ہیں اور صحیح رہنمائی کے طلبگار ہوتے ہیں تو وہ ان اعتقادی امراض کے علاج کے لیے مختلف طبیبوں اور معالجوں کے پاس جاتے ہیں مگر انھیں یہ سمجھ بھی نہیں ہوتی کہ جس کے پاس ہم جا رہے ہیں، وہ اس مرض کے علاج کے لیے کامل طبیب ہے یا نہیں۔۔۔؟ کامل طبیب کی پہچان کے پیمانہ سے بھی لاعلمی کے سبب بہت سی پریشانی لوگوں کے ذہن میں جنم لیتی ہے۔

اسلامی عقائد واصول اور صحیح وسقیم میں امتیاز کرنے کی صلاحیت نہ ہو تو کیا کریں؟

سوال یہ ہے کہ اسلامی عقائد، اصول اور فروع کے باب میں اگر غلط فہمیاں پیدا ہوں، اختلافات جنم لیں اور لوگوں میں حق اور باطل، درست اور غلط، صحیح اور سقیم میں امتیاز کرنے کی صلاحیت ہی نہ ہو تو وہ کیا کریں۔۔۔؟ عام طرزِ عمل اور رائج نظام یہ ہے کہ لوگ اس سلسلہ میں مختلف لوگوں اور ان اہلِ علم کے پاس جاتے ہیں، جن پر اُنھیں اعتماد ہوتا ہے لیکن عین ممکن ہے کہ بہت سی جگہوں سے اُنھیں مختلف جواب ملیں اور ہر کوئی ایک جدا دلیل پیش کر دے۔ عامۃ الناس کے پاس چونکہ اتنی صلاحیت بھی نہیں ہوتی کہ وہ تعین کر سکیں کہ پیش کی جانے والے دلیل میں سے قوی اور ضعیف دلیل کون سی ہے؟ نتیجتاً مغالطے، اختلافات اور غلط فہمیاں اپنی جگہ موجود رہتی ہیں۔ مسئلہ بتانے والا عالم، امام، خطیب یا رہنما؛ اس مسئلہ کی درست تعبیر اور تشریح کرتے ہوئے صحیح حکم صادر کر رہا ہے یا غلط۔۔۔؟ عام سادہ لوح مسلمانوں میں علم نہ ہونے کے سبب اس فرق کو جاننے کی بھی صلاحیت نہیں ہوتی، لہذا وہ دین کے باب میں مزید پریشان ہو جاتے ہیں۔

مختلف اہلِ علم کی طرف سے عامۃ الناس کو ملنے والے جوابات اور فتاویٰ میں اختلاف معمولی نوعیت کا نہیں ہوتا بلکہ ان تمام کے جوابات باہم متضاد ہوتے ہیں۔ کئی اسے عینِ ایمان قرار دیتے ہیں تو دوسری طرف اسے عینِ کفر اور شرک قرار دیا جا رہا ہوتا ہے۔ اس صورت حال میں ایک عام مسلمان، ایک طالبِ علم اور ایک طالبِ ہدایت پریشان پھرتا رہتا ہے کہ وہ کس کی بات کو درست تسلیم کرے اور کس کی بات کو غلط قرار دے۔۔۔؟

لہٰذا ضروری ہے کہ اس امر کے تعین کے لیے ہم ابتداء میں ایک اصول اور قاعدہ مقرر کریں کہ غلط اور صحیح میں امتیاز کا پیمانہ کیا ہوگا۔۔۔؟ جب دنیا کے ہر علم و فن کے قاعدے، اصول اور فارمولے ہیں تو اسلامی عقائد اور قرآن و سنت کے احکام کی تشریحات کے باب میں قاعدہ اور ضابطہ کیوں نہیں ہوگا۔۔۔؟ یہ پیمانہ اور اصول و ضابطہ موجود ہے مگر اسے جاننے کے لیے ہم نے کبھی محنت نہیں کی اور بالعموم علمائے کرام نے بھی اس methodology پر توجہ دینے، لوگوں تک اسے پہنچانے اور سمجھانے کے مضمون کو زیادہ اہمیت نہیں دی۔

میں اللہ تعالیٰ کی توفیق اور حضور نبی اکرم ﷺ کے نعلین پاک کے تصدق سے اولاً اسی پیمانے، اصول اور ضابطہ کو واضح کروں گا اور پھر بعد ازاں توحید، رسالت اور دیگر عقائدِ صحیحہ کو بالترتیب بیان کروں گا۔ اگر ہم عقائدِ صحیحہ اور عقائدِ باطلہ میں امتیاز پیدا کرنے کے لیے methodology کو سمجھ جائیں تو عقائدِ صحیحہ کی تمام ابحاث کو سمجھنے کا پچاس فیصد کام مکمل ہو جائے گا۔

عقائد میں صحیح اور غلط کے تعین کے پیمانہ کو جاننا کیوں ضروری ہے؟

عقائد میں صحیح اور غلط کے تعین کے پیمانے، اصول اور ضابطہ کو جاننا کیوں ضروری ہے؟ اسے سمجھنے کے لیے ایک مثال بیان کرتا ہوں کہ دودھ میں پانی کی مقدار کو جاننے کے لیے لیکٹو میٹر (Lactometer) استعمال کیا جاتا ہے۔ دودھ کے اندر لیکٹو میٹر ڈالیں تو وہ کتنا ڈوبتا ہے اور کس گریڈ پر آکر کھڑا ہوتا ہے، اس سے خالص دودھ اور پانی کی مقدار معلوم ہو جاتی ہے۔ اسی طرح عقائدِ صحیحہ کو جاننے کے لیے بھی ایک پیمانہ موجود ہے جس سے عقائدِ صحیحہ نکھر کر سامنے آجاتے ہیں اور ان میں التباس اور ملاوٹ کی حقیقت بھی معلوم ہو جاتی ہے۔ بعض لوگوں کے عقائد خالص دودھ کی طرح ہیں اور بعض کے عقائد میں ایک تہائی پانی کی ملاوٹ ہے، بعض میں آدھا پانی ملا ہوا ہے اور بعض میں ایک چوتھائی دودھ ہے تو تین حصے پانی ملا ہوا ہے اور پانی بھی بعض کا گدلا ہے۔

یاد رکھیں کہ عقائدِ اسلامیہ اور عقائدِ صحیحہ کے باب میں اللہ رب العزت نے ایسا نہیں کیا کہ ہماری مرضی پر چھوڑ دیا کہ جس کے جی میں جو بات آئے وہ اُسی کو قبول کرلے اور جو من کو پسند نہ ہو، اُس کو رَد کردے۔ کون سا عقیدہ صحیح ہے اور کون سا غلط۔۔۔؟ کس عقیدے میں کتنی خالصیت اور کتنی ملاوٹ ہے۔۔۔؟ کس عقیدے میں کون سی تعبیر غلط اور کون سی تشریح درست ہے۔۔۔؟ کسے قبول کیا جائے اور کسے رد کیا جائے۔۔۔؟ بہر صورت اس کی methodology دینِ اسلام کی تعلیمات کے اندر موجود ہے۔

آج کل بالعموم پوری دنیا میں اور بالخصوص پاکستان میں بد قسمتی سے سب سے بڑا مظلوم ''دین'' ہے۔ ہر شخص جو اَن پڑھ بھی ہے اور کسی مدرسہ میں ایک بھی دن نہیں گیا، وہ بھی عالم اور مفتی ہے۔ اس سے بھی کوئی مسئلہ پوچھیں تو وہ بیان کر دیتا ہے کہ میرے خیال میں یہ بات اس طرح ہے۔ اسی طرح پاکستان کا ہر شخص سیاست دان بھی ہے، سیاست کی جو بات بھی اس سے پوچھیں وہ آپ کو جواب دے گا، ہر شخص معیشت دان بھی ہے اور پاکستان کے معاشی مسائل کا حل بھی بیان کر دے گا۔ بد قسمتی یہ ہے کہ پاکستان میں ہر آدمی سب کچھ ہے۔ ہر مسئلہ پر وہ اپنی رائے اور ماہرانہ تجویز دینے کے لیے

تیار ہے۔ یہ بد قسمتی اس لیے ہے کے قوم کو تربیت سے محروم رکھا گیا ہے اور اس مظلومیت میں دین سب سے آگے ہے۔ ہر شعبۂ زندگی کا آدمی دین پر بے دھڑک گفتگو کرتا ہے اور وہ سمجھتا ہے چونکہ میں مسلمان ہوں، لہٰذا دین کی ہر بات پر رائے دینا، حکم لگانا، فتویٰ دینا، نکتہ نظر پیش کرنا اور اس کی تعبیر و تشریح کرنا (استغفر اللہ العظیم) میرا پیدائشی حق ہے۔

سوال یہ ہے کہ مسلمان ہونے کا یہ مطلب یہ کہاں سے آگیا کہ وہ علومِ دین میں بھی ماہر ہو گیا۔ ہم عقائد، دین کی تعلیمات اور دینی ہدایات کے باب میں اصول و قواعد چھوڑ بیٹھے ہیں، جس وجہ سے ہمارا حال اس طرح کا ہو گیا ہے اور اس امر نے ہمیں بہت زیادہ نقصان پہنچایا ہے۔ دین کے بارے میں رائے زنی، نکتہ نظر کا اظہار اور فتاویٰ دینے کے حوالے سے ہمارا حال اس طرح ہے جیسے سائیکل کا پنکچر لگانے والا شخص موٹر سائیکل کا انجن کھول کر بیٹھ جائے تو ظاہر ہے کہ پھر موٹر سائیکل کا کیا حال ہو گا۔۔۔ جو شخص موٹر بائیک کا مکینک ہے وہ مرسڈیز کا انجن کھول کر بیٹھ جائے تو کیا حال ہو گا۔۔۔؟ گاڑی کا مکینک ہوائی جہاز کا انجن کھول لے اور کار کا ڈرائیور ہوائی جہاز میں پائلٹ کی سیٹ پر جا بیٹھے تو ہم جانتے ہیں کہ کیا حال ہو گا۔۔۔؟ نفسیات کا ماہر، accountant بن کر بیٹھ جائے تو کیا حشر ہو گا۔۔۔؟ لوہار، سونے کے زیورات بنانے بیٹھ جائے تو کیا ہو گا۔۔۔؟ کیا کسی آنکھ کے ماہر ڈاکٹر کو دماغ کا آپریشن کرنے اور گردے کے ماہر کو ہارٹ سرجری کرنے کی کوئی اجازت دیتا ہے؟ ہر گز نہیں دے گا۔ اس لیے کہ یہ اصول کے خلاف ہے اور جہالت اور ظلم ہو گا۔ ہم روز مرہ کی زندگی میں ایسا نہیں کرنے دیتے مگر یہی کام دین کے باب میں ہر روز ہر شخص کر رہا ہے۔ جس شخص کی شکل دین دارانہ ہے، سر پر عمامہ ہے، ٹوپی ہے، داڑھی رکھی ہے، شرعی لباس پہنتا ہے، خطاب کر لیتا ہے، امام ہے، اُس سے جو مسئلہ چاہیں پوچھ لیں، وہ آپ کو فتویٰ دے دے گا۔

کیا دین پر ہر شخص کی رائے قابلِ قبول ہے؟

ہر فن کے لیے رجال اور ماہر لوگ ہوتے ہیں، ہر مضمون کی اپنی ایک خصوصیت، اصول اور قاعدہ وضابطہ ہوتا ہے۔ تعلیمی اداروں میں ہر علم و فن کے الگ الگ ماہرین اور اساتذہ ہوتے ہیں اور وہ صرف اپنے علم سے متعلقہ مضامین پڑھاتے ہیں۔ کمپیوٹر کا استاد فزکس اور کیمسٹری نہیں پڑھاتا، ریاضی والا بیالوجی نہیں پڑھاتا۔ سمجھانا یہ مقصود ہے کہ ہر علم اور فن میں تخصّص (specializations) ہے، جب تک کوئی تخصّص کا حامل نہ ہو وہ کسی ایک خاص میدان میں ایک واضح اور حتمی رائے اور رہنمائی نہیں دے سکتا اور اگر اس سے پوچھا جائے تو وہ کہے کہ میں اس کا ماہر نہیں ہوں۔

سیدنا امام مالکؒ سے ایک شخص نے حضور نبی اکرم ﷺ کے کسی ایک غزوہ کے حوالے سے سوال کیا۔ امام مالکؒ نے سوچ کر کہا کہ مجھے دو دن دو، میں اہلِ علم سے پوچھ کر تمہیں جواب دوں گا۔ امام مالکؒ جو حدیث کے بڑے امام ہیں اور امام شافعی کے استاد ہیں، اُنہوں نے اس کا جواب نہیں دیا۔ اس لیے کہ آپ کا تخصّص علم الحدیث اور فقہ تھا۔ انھوں نے چاہا کہ وہ لوگ جو غزوات کے specialist ہیں، اُن سے پوچھ کر سائل کو صحیح رہنمائی دی جائے۔ اس شیوۂ علم کو زندہ کرنے کی ضرورت ہے۔

معمولی نوعیت کے اختلافات پر کچھ علماء ایمان اور کچھ کفر کے فتوے جاری کر دیتے ہیں

آج کے زمانے میں ہر شخص اہلِ علم ہے، اس کو علم کی ”ع ل م“ کا بھی پتہ نہ ہو، وہ بھی اہلِ علم ہے۔ پہلے زمانوں میں طریقہ یہ ہوتا تھا کہ غزوات اور اسفار و واقعات پر حجت کسی اور امام کو مانا جاتا۔۔۔ تفسیر میں کسی اور کی بات حجت ہوتی۔۔۔ فقہ میں کسی اور کی بات حجت ہوتی۔۔۔ حدیث میں کسی اور کی بات حجت اور اتھارٹی ہوتی۔۔۔ تاریخ میں کسی اور کی بات اتھارٹی ہوتی۔ گویا پہلے زمانوں میں علم؛ ضابطے، قاعدے اور اصول کے مطابق رواں دواں رہتا تھا، اس لیے لوگ ہدایت پر رہتے تھے۔ افسوس کہ ہم نے سب کچھ خلط ملط کر دیا ہے اور قواعد کی دیواریں توڑ دی ہیں۔ جو آدمی آج کل سیاسی تجزیہ نگار، صحافی، سماجیات کا ماہر اور بولنے والا ہے، وہ سمجھتا ہے کہ میں ہر چیز کا ماہر ہوں، لہٰذا وہ دین پر بھی رائے دے گا اور آیات کی تفسیر بھی کرتا نظر آئے گا۔ وہ حدیث کو ضعیف کہہ کر (معاذ اللہ) کلیتاً رد بھی کر دے گا۔ یہ سب اس لیے ہو رہا ہے کہ اسے پتہ ہی نہیں کہ حدیثِ ضعیف اور حدیثِ صحیح کیا ہوتی ہے؟

اس بات کا دوسرا رخ بھی ملاحظہ کریں کہ اگر کسی خاص علم و فن کے میدان میں کوئی متخصّص (specialist) ہے تو وہ کسی غیر متخصص (non-specialist) کو جو اُس میدان کا ماہر نہیں، اُسے اپنے موضوع پر بات نہیں کرنے دے گا اور کہے گا کہ تمہیں معلوم نہیں ہے، میں اس میدان کا ماہر ہوں اور میری بات حتمی ہے۔ لیکن جب اس کے سامنے حدیث، فقہ، شریعت، اصولِ حدیث، اصولِ تفسیر، عقیدہ اور اصولِ دین کی کوئی بات آجائے تو وہ اس حدود میں پھلانگ کر داخل ہو جائے گا اور اس پر اپنی حتمی رائے بھی دے ڈالے گا۔ جب سے ہم نے اپنی رائے کو دین بنالیا، گمراہی عام ہو گئی ہے۔

درست اور غلط عقائد میں فرق کرنے کے پیمانے اور اصول وضوابط کے حوالے سے یہ امر ذہن میں رہے کہ میں اصول سے مراد اساسی عقائد نہیں لے رہا، بلکہ اصول سے مراد methodology اور اس کے scientific پہلو لے رہا ہوں۔ جیسے فقہ، تفسیر اور حدیث میں اصول ہیں، اسی طرح عقیدہ درست اور غیر درست کے بارے میں بھی کچھ اصول اور ضابطے ہیں۔

امت کا 72 فرقوں میں تقسیم ہونا کس بنیاد پر ہوگا؟

حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لم یکن فی بنی إسرائیل شیء إلا وھو فیکم کائن۔

(ابو نعیم، کتاب الفتن، ۱:۳۸، رقم:۳۶)، (ہندی، کنز العمال، ۱۱: ۱۰۹، رقم:۳۱۳۹۶)

جو کچھ بنی اسرائیل کے زمانے میں ہوا وہ میری امت میں بھی ہوگا۔ یعنی سیاسی، سماجی، معاشی اور دینی و مذہبی اعتبار سے ایسے ادوار میری امت پر بھی آئیں گے۔

حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے روایت کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

لَيَأْتِيَنَّ عَلَى أُمَّتِي مَا أَتَى عَلَى بَنِي إِسْرَائِيلَ حَذْوَ النَّعْلِ بِالنَّعْلِ حَتَّى إِنْ كَانَ مِنْهُمْ مَنْ أَتَى أُمَّهُ عَلَانِيَةً لَكَانَ فِي أُمَّتِي مَنْ يَصْنَعُ ذَلِكَ وَإِنَّ بَنِي إِسْرَائِيلَ تَفَرَّقَتْ عَلَى ثِنْتَيْنِ وَسَبْعِينَ مِلَّةً وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِي عَلَى ثَلَاثٍ وَسَبْعِينَ مِلَّةً كُلُّهُمْ فِي النَّارِ إِلَّا مِلَّةً وَاحِدَةً قَالُوا وَمَنْ هِيَ يَا رَسُولَ اللهِ قَالَ مَا أَنَا عَلَيْهِ وَأَصْحَابِي۔ (ترمذی، السنن، أبواب الإیمان، ۵: ۲۶، ۲۶۴۱)

”میری امت پر وہ کچھ ضرور آئے گا جو بنی اسرائیل پر آیا، جس طرح ایک جوتی دوسری جوتی کے برابر ہوتی ہے۔ یہاں تک کہ اگر ان میں سے کوئی اپنی ماں کے پاس علانیہ آیا ہوگا تو میری امت میں بھی ایسے لوگ ہوں گے جو یہ حرکت کریں گے۔ بنی اسرائیل بہتر (72) فرقوں میں بٹ گئے اور میری امت کے تہتر (73) فرقے ہوں گے، ایک کے سوا باقی سب جہنمی ہوں گے۔ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم نے عرض کیا: یا رسول اللہ! وہ نجات پانے والے کون ہیں؟ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا: جو میرے اور صحابہ رضی اللہ عنہم کے راستے پر ہوں گے (یعنی اہل سنت والجماعت)۔“

یاد رکھ لیں کہ جہنم میں جانے کا یہ مطلب نہیں کہ وہ 72 فرقے کفار و مشرکین ہوں گے اور دائمی جہنم میں رہیں گے۔ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے وَتَفْتَرِقُ أُمَّتِيْ کے الفاظ ادا فرمائے ہیں اور انھیں فرقوں میں بٹ جانے کے باوجود اپنی امت ہی قرار دیا ہے۔ یہ فرقے دراصل عقائد میں اختلاف کی وجہ سے معرضِ وجود میں آئیں گے اور اس گمراہی کی وجہ سے جہنم میں جائیں گے لیکن بعد ازاں آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم

کے ارشاد گرامی: مَنْ قَالَ لَا إِلٰهَ إِلَّا اللهُ دَخَلَ الْجَنَّةَ۔ (حاکم، المستدرک، ۴: ۲۷۹، الرقم: ۷۶۳۸) کے مصداق، اگر اُن کا عقیدہ توحید و رسالت پر ہے تو بنیادی طور پر اپنے عذاب کا زمانہ بھگت کر بلآخر جنت میں جائیں گے۔ مگر وہ لوگ جو عقائد میں حد پھلانگ جائیں گے اور کفر و شرک میں چلے جائیں گے، صرف وہ ہمیشہ جہنمی ہوں گے۔

اختلافِ عقائد کی وجہ سے مختلف طبقات، فرقوں اور مسالک کا وجود میں آنا نئی چیز نہیں، آقا علیہ السلام نے اس کی خبر دے دی۔ ان 72 فرقوں میں سے اللہ تعالیٰ کی توحید، حضور نبی اکرم ﷺ کی رسالت اور قرآن کو کلامِ الٰہی نہ ماننے والا کوئی نہ ہو گا۔ یہ لوگ ایسے نہیں ہوں گے کہ وہ دین اسلام کے بنیادی ارکان نماز، روزہ، حج اور زکوٰۃ کا انکار کرنے والے ہوں بلکہ درحقیقت وہ اِن بنیادی عقائد کی تشریحات اور اِن کے معانی کے تعین میں اختلاف کرنے والے ہوں گے۔ یعنی اِن کا اختلاف اس امر پر ہو گا کہ اِن احکام سے مراد کیا ہے۔۔۔؟ اِن الفاظ کا معنی کیا ہے۔۔۔؟ اِن قرآنی آیات کی تعبیر کیا ہے۔۔۔؟ اِن احادیث کے معانی کا اطلاق کہاں ہو گا۔۔۔؟ الغرض اُن کے اختلافات معانی، تعبیر اور تشریح پر ہوں گے اور اس طرح مسلک اور عقیدہ بن جائے گا۔

> ہر فن کے لئے رجال اور ماہر لوگ ہوتے ہیں، ہر مضمون کا الگ اصول اور قاعدہ ہوتا ہے

حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ:

كَانَ النَّاسُ يَسْأَلُونَ رَسُولَ اللهِ الْخَيْرِ وَكُنْتُ أَسْأَلُهُ عَنِ الشَّرِّ مَخَافَةَ أَنْ يُدْرِكَنِي فَقُلْتُ يَا رَسُولَ اللهِ إِنَّا كُنَّا فِي جَاهِلِيَّةٍ وَشَرٍّ فَجَائَنَا اللهُ بِهَذَا الْخَيْرِ فَهَلْ بَعْدَ هَذَا الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟ قَالَ نَعَمْ، قُلْتُ وَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الشَّرِّ مِنْ خَيْرٍ؟ قَالَ نَعَمْ وَفِيهِ دَخَنٌ قُلْتُ وَمَا دَخَنُهُ؟ قَالَ قَوْمٌ يَهْدُونَ بِغَيْرِ هَدْيِي تَعْرِفُ مِنْهُمْ وَتُنْكِرُ قُلْتُ فَهَلْ بَعْدَ ذَلِكَ الْخَيْرِ مِنْ شَرٍّ؟

دوسرے حضرات تو رسول اللہ ﷺ سے خیر کے بارے میں پوچھا کرتے تھے لیکن میں شر کے متعلق دریافت کیا کرتا کہ کہیں وہ مجھے پا نہ لے۔ چنانچہ میں عرض گزار ہوا کہ یا رسول اللہ! ہم جاہلیت اور شر کے اندر تھے، پس اللہ تعالیٰ ہمارے پاس اس خیر کو لے آیا۔ کیا اس خیر کے بعد بھی شر

ہے؟ فرمایا: ہاں۔ میں عرض گزار ہوا کہ کیا اُس شر کے بعد خیر ہے؟ فرمایا: ہاں، لیکن اس میں دھواں ہوگا۔ میں عرض گزار ہوا کہ وہ دھواں کیا ہوگا؟ فرمایا: کہ وہ من مانے راستے پر چلیں گے، اُن کی بعض باتیں تم پسند کرو گے اور بعض ناپسند۔ میں عرض گزار ہوا کہ کیا اُس کے بعد بھی شر ہے؟ فرمایا:

نَعَمْ دُعَاةٌ عَلَى أَبْوَابِ جَهَنَّمَ مَنْ أَجَابَهُمْ إِلَيْهَا قَذَفُوهُ فِيهَا۔

میری امت میں ایسے دعوت دینے والے، تبلیغ کرنے والے، لوگوں کو اپنے موقف، نکتۂ نظر، عقیدہ، نظریہ اور مسلک کی طرف دعوت دینے والے ہوں گے جو جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہوں گے۔

> آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا
>
> فرقوں سے علیحدگی اختیار کر
>
> لینا خواہ تمہیں کسی درخت
>
> کی جڑ ہی چبانی پڑے

ظاہر ہے کہ لوگوں کو تو نظر نہیں آرہا کہ وہ جہنم کے دروازے پر کھڑے ہیں۔ لوگوں کو تو وہ دین عقیدہ اور مسلک کی دعوت مسجد کے منبر اور اجتماعات میں ہی دیتے ہوئے نظر آرہے ہیں۔ کوئی کسی نہ کسی ٹی وی چینل، سوشل میڈیا چینل، مدرسہ میں بیٹھا ہے اور دعوت دے رہا ہے، کوئی تصانیف اور کوئی تقاریر اور خطبات کے ذریعے تبلیغ کر رہا ہے۔ الغرض ہر ایک کے اپنے اپنے طریقے ہیں، مگر یہ لوگ کہ جن کی حقیقت لوگوں کو نظر نہیں آرہی، یہ جہنم کے دروازوں پر کھڑے ہیں اور جو ان کی بات مانے گا، اس کو جہنم میں ڈال دیں گے۔ یعنی وہ خود بھی اپنی گمراہی کے سبب جہنمی ہو چکے ہوں گے اور جو اُن کی دعوت پر لبیک کہے گا اور اُن کی بات، تعبیر، تشریح اور نظریہ قبول کرلے گا، اسے بھی یہ لوگ جہنم میں گرادیں گے۔

لازمی بات یہ ہے کہ صحابہ کرام رضی اللہ عنہم یہ بات سن کر پریشان ہوئے ہوں گے کہ داعی، مبلغ اور رہنما لوگوں کو جہنم سے بچانے کا وسیلہ بننے کے بجائے لوگوں کو جہنم میں پہنچا رہے ہیں، صاف ظاہر ہے کہ یہ امر ان کے ماتھے پر تو نہیں لکھا ہوا کہ وہ خود بھی جہنمی ہیں اور دوسروں کو بھی جہنم کا مستحق بنا رہے ہیں۔ اس پر حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما کو پریشانی لاحق ہوئی تو عرض کیا:

يَا رَسُولَ اللهِ! صِفْهُمْ لَنَا؟

آقا! ایسے لوگوں کی ہمیں پہچان بتا دیجیے، اُن کی صفات بیان کریں تاکہ آپ کی امت اُن سے بچ سکے۔

حضور صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

هُمْ مِنْ جِلْدَتِنَا وَيَتَكَلَّمُونَ بِأَلْسِنَتِنَا۔

وہ لوگ ہماری ہی جماعت سے ہوں گے اور ہماری ہی بولی بولیں گے۔ یعنی ان کا گوشت پوست، لباس، رنگ روپ ہماری طرح کا ہی ہوگا، دیکھنے میں ہماری طرح ہی لگیں گے اور ہماری ہی زبان بولیں گے۔

آقا علیہ السلام صرف اہل عرب کی بات نہیں فرمارہے، ہماری زبان سے مراد عربی میں بات کرنا نہیں بلکہ اس سے مراد یہ ہے کہ قرآن وسنت اور اسلام کی بات کریں گے، قرآن وحدیث کے حوالے دیں گے اور اُن کی بولی ہماری بولی جیسی ہوگی۔ اس پر حضرت حذیفہ بن الیمان رضی اللہ عنہما نے پوچھا:

فَمَا تَأْمُرُنِي إِنْ أَدْرَكَنِي ذَلِكَ؟

اگر میں ایسا زمانہ پالوں یا ایسا داعی مجھے ملے تو آپ مجھے کیا حکم دیتے ہیں؟ آقا علیہ السلام نے فرمایا:

تَلْزَمُ جَمَاعَةَ الْمُسْلِمِينَ وَإِمَامَهُمْ۔

”مسلمانوں کی جماعت اور اُن کے امام کے ساتھ رہنا۔“

یعنی اکثریت اور اُن کے امام، رہبر اور پیشوا کا دامن تھامنا۔ حضرت حذیفہ رضی اللہ عنہ نے پھر پوچھا:

فَإِنْ لَمْ يَكُنْ لَهُمْ جَمَاعَةٌ وَلَا إِمَامٌ؟

”اگر اُن کی کوئی جماعت اور کوئی امام نہ ہو؟“

یعنی وہ اکثریت اور اُن کا امام، رہبر و پیشوا نہ ملے اور اس کی پہچان نہ ہو تو پھر کیا کروں؟ اس پر آقا علیہ السلام نے فرمایا:

فَاعْتَزِلْ تِلْكَ الْفِرَقَ كُلَّهَا۔ وَلَوْ أَنْ تَعَضَّ بِأَصْلِ شَجَرَةٍ حَتَّى يُدْرِكَكَ الْمَوْتُ وَأَنْتَ عَلَى ذَلِكَ۔

(بخاری، الصحیح، کتاب الفتن، ۶:۲۵۹۵، الرقم: ۶۶۷۳)

تم فرقوں سے علیحدگی اختیار کر لینا خواہ تمہیں کسی درخت کی جڑ ہی چبانی پڑے، یہاں تک کہ تمہیں موت آجائے لیکن رہنا اسی حالت میں۔ یعنی قرآن وسنت کی طرح طرح کی تشریح کرنے والے، امت کو کافر اور مشرک بنانے والے اور تفرقہ وانتشار میں ڈال کر دھڑے بندی کرنے والے، اُن فرقوں اور اُن فرقہ بازوں سے بچ کر رہنا۔

معلوم ہوا کہ تفرقہ اور فرقے ہوں گے۔ قرآن وسنت، دین اسلام اور شریعت کی ہی بات کرنے والے ایسے ہوں گے کہ ہماری بولی بول رہے ہوں گے مگر ہر ایک عقیدہ کی تشریح و تعبیر جدا جدا کر رہا ہوگا۔ یہ لوگوں کو گمراہ کریں گے اور دوزخ میں لے جائیں گے۔ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے اس فرمان مبارک سے اس امر کی طرف متوجہ کرنا مقصود ہے کہ امت میں تفرقہ ہوگا لیکن ان سے بچ کر رہنا ہے۔ آج ہم ایسی ہی صورت حال کا شکار ہیں، لہذا ضرورت اس امر کی ہے کہ عقائد میں صحیح اور غلط میں امتیاز کا پیمانہ،

اصول اور ضابطہ ہمیں معلوم ہوتا کہ ہم ان فرقوں سے محفوظ رہ سکیں۔

آج ہم مجموعی اعتبار سے جس صورت حال کا شکار ہیں، اس میں اس مضمون کی اہمیت اجاگر ہو جاتی ہے کہ ہم ایک methodology کا تعین کریں، ایک اصول، قاعدہ اور ضابطہ جانیں اور سیکھیں، جس کے ذریعے ہم دُرست اور غلط۔۔۔ حق اور باطل۔۔۔ اور غلط دعوت دینے والے اور درست دعوت دینے والے میں تمیز کر سکیں اور جان سکیں کہ کون سا راستہ جہنم کی طرف لے جاتا ہے اور کون سا جنت کی طرف۔۔۔؟ کون سا عقیدہ مبنی بر حق ہے اور کون سا مبنی بر حق نہیں ہے۔۔۔؟ کیونکہ قرآن و حدیث، شریعت، دین اور اسلام کی صورت میں بولی سارے ایک ہی بول رہے ہیں اور عقیدۂ صحیحہ اور باطلہ میں تمیز کرنا مشکل تر ہوتا چلا جا رہا ہے۔ (جاری ہے)

(خطاب نمبر: Ci-23)(تاریخ: 2013ء)(ناقل: محمد ظفیر ہاشمی)

تجدید و احیائے دین، دعوت و تبلیغ حق، اصلاح احوال امت اور ترویج و اقامت اسلام کے عظیم مصطفوی مشن کے فروغ اور اسلام کی حقیقی تعلیمات سے آگہی کے لئے

ماہنامہ منہاج القرآن

کی سالانہ خریداری حاصل کریں

زیر سرپرستی
شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری مدظلہ

فی شمارہ: 60 روپے
سالانہ خریداری: 700 روپے

اپنے علاقے میں موجود پبلک لائبریریز، کالجز، سکولز، عوامی مقامات، دوست احباب اور علاقے کی موثر شخصیات کو سالانہ خریداری کی صورت میں تحفہ بھجوائیں

365 ایم ماڈل ٹاؤن لاہور فون: 042-111-140-140 Ext: 128
0300-8886334 Whatsapp: 0300-8105740
Web:www.minhaj.info Email:mqmujallah@gmail.com

آپ کے فقہی مسائل

لیلۃ القدر۔۔۔صدقہ فطر۔۔۔عید الفطر

دارالافتاء تحریک منہاج القرآن، زیر نگرانی: مفتی عبدالقیوم خان ہزاروی

سوال: رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں اور لیلۃ القدر کے متعلق رہنمائی فرمائیں؟

جواب: رمضان المبارک کے آخری عشرے کی اکیسویں، تئیسویں، پچیسویں، ستائیسویں اور انتیسویں راتیں، طاق راتیں کہلاتی ہیں۔ حضرت عبادہ بن صامت رضی اللہ عنہ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم سے لیلۃ القدر کے متعلق سوال کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

فِي رَمَضَانَ، فَالْتَمِسُوهَا فِي الْعَشْرِ الْأَوَاخِرِ فَإِنَّهَا فِي وَتْرٍ، فِي إِحْدَى وَ عِشْرِينَ، أَوْ ثَلَاثٍ وَعِشْرِينَ، أَوْ خَمْسٍ وَعِشْرِينَ، أَوْ سَبْعٍ وَّعِشْرِينَ، أَوْ تِسْعٍ وَعِشْرِينَ، أَوْ فِي آخِرِ لَيْلَةٍ، فَمَنْ قَامَهَا ابْتِغَاءَهَا إِيمَانًا وَاحْتِسَابًا، ثُمَّ وُفِّقَتْ لَهُ، غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ وَمَا تَأَخَّرَ۔ (أحمد بن حنبل، المسند، ۵:۳۱۹، رقم: ۲۲۷۱۳)

”لیلۃ القدر رمضان میں ہے سو تم اسے آخری عشرہ میں تلاش کرو۔ لیلۃ القدر اکیسویں یا تئیسویں یا پچیسویں یا ستائیسویں یا انتیسویں طاق راتوں میں ہے یا رمضان کی آخری رات ہے۔ جس شخص نے لیلۃ القدر میں حالتِ ایمان اور طلبِ ثواب کے ساتھ قیام کیا، پھر اسے ساری رات کی توفیق دی گئی تو اس کے اگلے اور پچھلے گناہ بخش دیے جاتے ہیں۔“

یہ رات بہت ہی قدر و منزلت اور خیر و برکت کی حامل ہے جسے قرآن کریم نے ہزار راتوں سے افضل قرار دیا ہے۔ جمہور علماء امت کا مؤقف یہ ہے کہ لیلۃ القدر امت محمدیہ علی صاحبھا الصلوۃ والسلام کے لئے خاص انعام ہے جو اس سے قبل کسی اور امت کو عطا نہیں کی گئی۔ حدیثِ مبارکہ سے بھی اس موقف کی تائید ہوتی ہے۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

إِنَّ اللهَ لوَهَبَ لِأُمَّتِيْ لَيْلَةَ الْقَدْرِ، وَلَمْ يُعْطِهَا مَنْ كَانَ قَبْلَكُمْ. (دیلمی، الفردوس بماثور الخطاب، ۱:۱۷۳، رقم: ۶۴۷)

”بلاشبہ اللہ تعالیٰ نے لیلۃ القدر میری امت ہی کو عطا کی اور تم سے پہلے لوگوں کو اس سے سرفراز نہیں کیا۔“

کیونکہ احادیث مبارکہ سے ثابت ہے کہ یہ رمضان المبارک کے آخری عشرہ کی طاق راتوں میں سے ہے، لہٰذا اِسے رمضان کی طاق راتوں میں تلاش کرنا چاہئے۔ اس رات کو اللہ رب العزت نے اپنی خاص حکمت سے مخفی رکھا ہے۔ دیگر اہم مخفی امور مثلاً اسمِ اعظم، جمعہ کے روز قبولیتِ دعا کی گھڑی کی طرح اس رات کو مخفی رکھنے کی بھی متعدد حکمتیں ہیں۔ ان میں سے چند درج ذیل ہیں:

۱۔ اگر لیلۃ القدر کو مخفی نہ رکھا جاتا تو عمل کی راہ مسدود ہو جاتی اور اسی رات کی عبادت پر اکتفا کر لیا جاتا۔ ذوقِ عبادت میں دوام کی خاطر اس کو آشکار نہیں کیا گیا۔

۲۔ اگر بامرِ مجبوری کسی انسان کی وہ رات رہ جاتی تو شاید اس صدمے کا ازالہ ممکن نہ ہوتا۔

۳۔ اللہ تعالیٰ کو بندوں کا رات کے اوقات میں جاگنا بے حد محبوب ہے۔ لیلۃ القدر کا تعین اس لئے نہیں فرمایا تاکہ بندے اس ایک رات کی تلاش میں پانچوں طاق راتوں میں جاگ کر اپنے رب کو منا سکیں۔

۴۔ عدمِ تعیین کی ایک وجہ گناہگاروں پر شفقت بھی ہے، کیونکہ اگر علم کے باوجود اس میں گناہ سرزد ہوتا تو اس سے لیلۃ القدر کی عظمت مجروح کرنے کا جرم بھی لازم آتا۔

لیلۃ القدر کی فضیلت میں کتبِ حدیث میں بہت سی روایات مذکور ہیں۔ ذیل میں چند ایک احادیث کا تذکرہ کیا جاتا ہے:

۱۔ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے ارشاد فرمایا:

مَنْ قَامَ لَيْلَةَ الْقَدْرِ إِيْمَانًا وَّاحْتِسَاباً غُفِرَ لَهُ مَا تَقَدَّمَ مِنْ ذَنْبِهِ. (بخاری، الصحیح، کتاب صلاۃ التراویح، باب فضل لیلۃ القدر، ۲:۷۰۹، رقم: ۱۹۱۰)

”جو شخص لیلۃ القدر میں حالتِ ایمان اور ثواب کی نیت سے قیام کرتا ہے، اُس کے سابقہ گناہ معاف کر دیئے جاتے ہیں۔“

مندرجہ بالا ارشاد نبوی ﷺ میں جہاں لیلۃ القدر کی ساعتوں میں ذکر و فکر اور طاعت و عبادت کی تلقین کی گئی ہے وہاں اس بات کی طرف بھی متوجہ کیا گیا ہے کہ عبادت سے محض اللہ تعالیٰ کی خوشنودی مقصود ہو، دکھاوا اور ریاکاری نہ ہو پھر یہ کہ آئندہ برائی نہ کرنے کا عہد کرے۔ اس شان سے عبادت کرنے والے بندے کے لئے یہ رات مژدۂ مغفرت بن کر آتی ہے۔ لیکن وہ شخص محروم رہ جاتا ہے جو اس رات کو پائے مگر عبادت نہ کر سکے۔

۲۔ حضرت انس بن مالک رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ ایک مرتبہ رمضان المبارک کی آمد پر حضور نبی اکرم ﷺ نے فرمایا:

”یہ ماہ جو تم پر آیا ہے، اس میں ایک ایسی رات ہے جو ہزار مہینوں سے افضل ہے۔ جو شخص اس رات سے محروم رہ گیا، گویا وہ ساری خیر سے محروم رہا۔ اور اس رات کی بھلائی سے وہی شخص محروم رہ سکتا ہے جو واقعتاً محروم ہو۔“ (ابن ماجہ، السنن، کتاب الصیام، باب ما جاء فی فضل شھر رمضان، ۲:۳۰۹، رقم: ۱۶۴۴)

ایسے شخص کی محرومی میں واقعتا کیا شک ہو سکتا ہے جو اتنی بڑی نعمت کو غفلت کی وجہ سے گنوا دے۔ جب انسان معمولی معمولی باتوں کے لئے کتنی راتیں جاگ کر گزار لیتا ہے تو 83 سال کی عبادت سے افضل بابرکت رات کے لئے جاگنا کوئی زیادہ مشکل کام تو نہیں۔

۳۔ حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے لیلۃ القدر کی فضیلت بیان کرتے ہوئے ارشاد فرمایا:

”شب قدر کو جبرائیل امین فرشتوں کے جھرمٹ میں زمین پر اتر آتے ہیں۔ وہ ہر اُس شخص کے لئے دعائے مغفرت کرتے ہیں جو کھڑے بیٹھے (کسی حال میں) اللہ کو یاد کر رہا ہو۔“

(بیھقی، شعب الإیمان، ۳:۳۴۳، رقم: ۳۷۱۷)

سوال: کیا ہر شخص صدقہ فطر یکساں ادا کرے گا یا اپنی اپنی حیثیت کے مطابق ادا کرے گا؟

جواب: ہر طبقہ کے لوگ اپنی اپنی حیثیت کے مطابق صدقہ فطر ادا کریں گے، جیسا کہ حضور نبی اکرم ﷺ کا ارشاد مبارک ہے:

”صرف مُسِنّہ کی قربانی کرو۔ لیکن اگر دنبوں میں مُسِنّہ کا ملنا دشوار ہو تو چھ ماہ کے دنبے کی قربانی بھی کر سکتے ہو۔“

(نسائی، السنن، کتاب الضحایا، باب المسنۃ والجزعۃ، ۷:۲۱۸، رقم:۴۳۷۸)

بکرے، گائے اور اونٹ میں مُسِنّہ اس جانور کو کہتے ہیں جس کے دودھ پینے کے دانتوں کی جگہ چرنے اور کھانے کے دانت نکل آئیں۔ بکرے کی عمر ایک سال ہو تو اُس کے یہ دانت نکلتے ہیں جب کہ گائے دو سال اور اونٹ پانچ سال کا ہو جائے تو اُس کے کھانے کے دانت نکلتے ہیں۔ شریعت میں اِجازت ہے کہ ہر مسلمان اپنی استطاعت کے مطابق بکروں، دنبوں، گایوں یا اونٹوں کی قربانی کرے۔ اِسی طرح حضور نبی اکرم ﷺ نے صدقہ فطر کی بھی مختلف اَقسام کو اُمت کے لئے جائز فرمایا جیسا کہ حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانے میں ہم ایک صاع (چار کلو گرام) اناج (بطور صدقہ فطر) ادا کرتے تھے؛ یا ایک صاع کھجوریں یا ایک صاع جَو یا ایک صاع کشمش ادا کرتے تھے۔ جب حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کا زمانہ آیا تو گندم کا آٹا آگیا جو اُس وقت نسبتاً سب سے مہنگا تھا۔ تو نصف صاع (دو کلو) گندم کو ان چیزوں کے چار کلو کے برابر قرار دے دیا گیا۔" (بخاری، الصحیح، کتاب صدقۃ الفطر، باب صاع من زبیب، ۲:۵۴۸، رقم:۱۴۳۷)

ایک اور حدیث مبارک میں حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں:

"حضور نبی اکرم ﷺ کے زمانہ اَقدس میں ہم ایک صاع اناج بطور صدقہ فطر ادا کرتے تھے۔ ہمارا اناج جَو، کشمش، پنیر اور کھجور پر مشتمل ہوتا تھا۔" (بخاری، الصحیح، کتاب صدقۃ الفطر، باب الصدقۃ قبل العید، ۲:۵۴۸، رقم:۱۴۳۹)

لہٰذا مختلف آمدنی رکھنے والے طبقات اپنی اپنی آمدن اور مالی حیثیت کے مطابق دو کلو گندم کی قیمت سے لے کر چار کلو کشمش کی قیمت تک کسی بھی مقدار کو صدقۂ فطر کے طور پر ادا کریں گے تاکہ غرباء و مستحقین کا زیادہ سے زیادہ فائدہ ہو۔

سوال: عید کی رات کو عبادت کرنے اور عید الفطر کے بارے رہنمائی فرمائیں۔

جواب: عید الفطر دراصل بہت سی خوشیوں کا مجموعہ ہے۔ ایک رمضان المبارک کے روزوں کی خوشی، دوسری قیام شب ہائے رمضان کی خوشی، تیسری نزول قرآن، چوتھی لیلۃ القدر اور پانچویں اللہ

تعالیٰ کی طرف سے روزہ داروں کے لئے رحمت و بخشش اور عذاب جہنم سے آزادی کی خوشی۔ پھر ان تمام خوشیوں کا اظہار صدقہ و خیرات جسے صدقہ فطر کہا جاتا ہے، کے ذریعے کرنے کا حکم ہے تاکہ عبادت کے ساتھ انفاق و خیرات کا عمل بھی شریک ہو جائے۔ یہی وہ وجوہات ہیں جن کی بناء پر اسے مومنوں کے لئے ''خوشی کا دن'' قرار دیا گیا۔

عید کا دن جہاں خوشی و مسرت کے اظہار اور میل ملاپ کا دن ہوتا ہے وہاں عید کی رات میں کی جانے والی عبادت کی فضیلت عام دنوں میں کی جانے والے عبادت سے کئی گنا بڑھ کر ہے۔ حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ قَامَ لَيْلَتَيِ الْعِيدَيْنِ مُحْتَسِبًا لِلّٰهِ لَمْ يَمُتْ قَلْبُهُ يَوْمَ تَمُوْتُ الْقُلُوْبُ.(ابن ماجه، السنن، كتاب الصيام، باب فيمن قام في ليلتي العيدين، ۲:۳۷۷، رقم: ۱۷۸۲)

''جو شخص عید الفطر اور عید الاضحی کی راتوں میں عبادت کی نیت سے قیام کرتا ہے، اس کا دل اس دن بھی فوت نہیں ہو گا جس دن تمام دل فوت ہو جائیں گے۔''

حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے مروی ہے کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

مَنْ أَحْيَا اللَّيَالِي الْخَمْسَ، وَجَبَتْ لَهُ الْجَنَّةُ: لَيْلَةَ التَّرْوِيَةِ، وَلَيْلَةَ عَرَفَةَ، وَلَيْلَةَ النَّحْرِ، وَلَيْلَةَ الْفِطْرِ، وَلَيْلَةَ النِّصْفِ مِنْ شَعْبَانَ. (منذری، الترغیب والترهيب، ۱:۱۸۲)

''جو شخص پانچ راتیں عبادت کرے، اس کے لئے جنت واجب ہو جاتی ہے۔ وہ راتیں یہ ہیں: آٹھ ذوالحجہ، نو ذوالحجہ (یعنی عید الاضحیٰ)، دس ذوالحجہ، عید الفطر اور پندرہ شعبان کی رات (یعنی شب برات)۔''

سوال: عید الفطر کی نماز کا وقت کیا ہے اور کیا اس کی ادائیگی میں تاخیر جائز ہے؟

جواب: عید الفطر کی نماز کا وقت آفتاب کے بلند ہو جانے کے بعد زوال سے پہلے تک رہتا ہے۔ عید الفطر کی نماز میں تاخیر کرنا جائز ہے جیسا کہ حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے حضرت عمرو بن حزم رضی اللہ عنہ کو نجران میں حکم دیا:

عَجِّلِ الْأَضْحٰى وَأَخِّرِ الْفِطْرَ وَذَكِّرِ النَّاسَ.

(بيهقی، السنن الكبرىٰ، ۳: ۲۸۲، رقم: ۵۹۴۴)

''عید الاضحی کی نماز جلدی ادا کرو اور عید الفطر کی نماز دیر سے ادا کرو اور لوگوں کو وعظ سناؤ۔''

دنیاوی مصائب ومشکلات کے اسباب اور حل

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری

اللہ رب العزت نے ارشاد فرمایا:

وَمَآ اَصَابَكُمْ مِّنْ مُّصِيْبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ اَيْدِيْكُمْ وَيَعْفُوْا عَنْ كَثِيْرٍ۔ (الشوریٰ، ۴۲: ۳۰)

''اور جو مصیبت بھی تم کو پہنچتی ہے تو اُس (بد اعمالی) کے سبب سے ہی (پہنچتی ہے) جو تمہارے ہاتھوں نے کمائی ہوتی ہے حالاں کہ بہت سی (کوتاہیوں) سے تو وہ در گزر بھی فرما دیتا ہے۔''

آج ہم من حیث المجموع بے شمار مصائب، آلام اور پریشانیوں میں مبتلا ہیں۔ ایک مصیبت و آزمائش ختم ہوتی ہے تو دوسری مصیبت و آزمائش اس کی جگہ لے لیتی ہے۔ ان حالات میں ہم جب گرد و نواح میں بسنے والی انسانیت کو تڑپتے، سسکتے اور بے بسی و بے کسی کے عالم میں دیکھتے ہیں تو خوف، دہشت اور مایوسی کا شکار ہو جاتے ہیں۔ سوال یہ ہے کہ ان مصائب و آلام اور پریشانیوں کا سبب کیا ہے۔۔۔؟ قرآن مجید کی مذکورہ آیت کریمہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمیں ان مصائب و آلام کے سبب کی طرف متوجہ کیا ہے کہ ہم اپنی بد اعمالیوں کے نتیجے میں اپنے اوپر مصیبت مسلط کر لیتے ہیں۔ اللہ رب العزت تو رحیم و کریم اور عفو و در گزر کرنے والا ہے، وہ یہ نہیں چاہتا کہ میرا بندہ مصائب اور تکالیف کا شکار ہو، اسی لیے مذکورہ آیت کریمہ میں اس نے واضح کر دیا کہ وہ ہماری کئی نافرمانیوں، گناہوں اور غفلتوں کو معاف فرما دیتا ہے لیکن اس سب کے باوجود بھی جو گناہ بچ جاتے ہیں، ان کے سبب یہ سارے مصائب اور تکالیف آتی ہیں۔

اللہ رب العزت نے قرآن مجید اور حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنی تعلیمات کے ذریعے ہمیں ان مصائب، آزمائشوں اور پریشانیوں سے نکلنے کے لیے قوانین اور ضوابط کا ایک پیکج دیا ہے، تاکہ ہم اس پر عمل پیرا ہو کر اللہ کے مطیع اور فرمانبردار بن جائیں اور ان آزمائشوں اور مصائب سے بچ سکیں۔

حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

لایزید فی العمر الا البر ولا یرد القدر الا الدعا وان الرجل لیحرم الرزق بالذنب یصیبہ۔

(سنن ابن ماجہ، ۲: ۱۳۳۴، الرقم: ۴۰۲۲)

اللہ رب العزت کی اطاعت اور فرمانبرداری، اس کے احکام کی بجاآوری، اوامر و نواہی کی پابندی، اس کی تعلیمات کے مطابق زندگی بسر کرنے اور نیک کاموں سے عمر بڑھتی چلی جاتی ہے۔ دعا کرنے سے تقدیریں ٹل جاتی ہیں اور بے شک آدمی اپنے کسی گناہ کی وجہ سے رزق سے محروم ہو جاتا ہے۔

آپ ﷺ نے تنگی رزق کے مسئلہ کو حل فرما دیا اور واضح کر دیا کہ رزق کی کشادگی اطاعت میں پنہاں ہے۔ گویا جب گناہ بڑھتے ہیں تو رزق محدود ہونا شروع ہو جاتا ہے۔ گناہوں اور نافرمانیوں کے اثرات تو اس قدر ہیں کہ اس سے انسان کا حافظہ بھی کمزور ہونا شروع ہو جاتا ہے اور جو چیز یاد کرتے ہیں، بھول جاتی ہے۔ حضرت امام شافعی رحمہ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ

شکوت الی وکیع سوء حفظی — فارشدنی الی ترک المعاصی

واخبرنی بان العلم نور — ونور اللہ لایھدی لعاصی

(آلوسی، روح المعانی، ۶: ۹۰)

میں نے اپنے استاذ شیخ وکیع سے حافظہ کی کمزوری کا مسئلہ بیان کیا تو انھوں نے مجھے گناہوں کو ترک کرنے کی ہدایت فرمائی اور مجھے بتایا کہ علم نور ہے اور اللہ کا نور گناہ گاروں کو نہیں دیا جاتا۔

حضرت امام شافعی کو ترکِ معاصی کی نصیحت کے ضمن میں یہ امر ذہن نشین رہے کہ ''حسنات الابرار سیئات المقربین'' کے مصداق نیکوکار لوگوں کی نیکیاں، مقربین کے مقام و مرتبے کے مطابق نیکی نہیں بلکہ بعض اوقات گناہ تصور ہوتی ہیں۔ اس لیے امام شافعی اپنے مقام کے مطابق سوءِ حفظ کی شکایت کر رہے ہیں اور ان کے شیخ ان کے مقام و مرتبہ کو ذہن میں رکھتے ہوئے انھیں اس ہدایت سے نواز رہے ہیں۔

ہمارے گناہ بڑھنے کے سبب ہماری عمر اور ہمارا رزق کم ہوتا چلا جاتا ہے، بجائے اس کے کہ ہم اپنے اعمال و احوال پر غور کریں اور ان کی اصلاح کی طرف متوجہ ہوں، ہم اللہ کے حضور شکوہ و شکایت کرنے لگ جاتے ہیں کہ یہ تمام مصائب و آلام اور پریشانیاں میرے لیے کیوں ہیں جبکہ میں تیری عبادت و اطاعت بھی کرتا ہوں۔ اس حوالے سے اس امر کو سمجھنے کی ضرورت ہے کہ وہ رب تو کریم اور رؤف و

رحیم ہے، وہ تو مخلوق کو پالنے والا اور رب العالمین ہے، وہ ہمارا رزق کیوں محدود کرے گا۔۔۔؟ ہمیں اس جانب متوجہ ہونا ہوگا کہ ہمارے عمل، اطاعت اور عبادت و تقویٰ میں کمی کے سبب ہم اللہ کی نگاہِ کرم سے محروم ہوگئے ہیں۔ ہم اپنی طرف دیکھنے کی بجائے شکوے کرنا شروع کر دیتے ہیں۔ اس حوالے سے ہمیں چاہیے کہ ان حالات میں شکوہ و شکایت کے بجائے اپنے اعمال واحوال کی اصلاح کریں اور صبر کے ساتھ اللہ سے مدد مانگیں۔ ارشاد فرمایا:

يٰٓاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوا اسْتَعِيْنُوْا بِالصَّبْرِ وَالصَّلٰوةِ اِنَّ اللّٰهَ مَعَ الصّٰبِرِيْنَ۔ (البقرہ، ۲: ۱۵۳)

”اے ایمان والو! صبر اور نماز کے ذریعے (مجھ سے) مدد چاہا کرو، یقیناً اللہ صبر کرنے والوں کے ساتھ (ہوتا) ہے۔“

ہم نے خدا کے حضور جھک کر اس کو منانا تھا، آنکھوں کو اشک بار کر کے، اپنی پیشانیوں کو اس کے حضور جھکا کر اور اپنے قلوب کو متواضع کر کے اس کے حضور پیش ہونا تھا، لیکن افسوس کہ ہم نے شکوے اور شکایت سے اس کی ساری رحمت کا رخ اپنی طرف سے پھیر دیا۔

مصائب کے حل کا قرآنی پیکج

مصائب اور پریشانیوں کے حل کے لیے اللہ رب العزت نے قرآن مجید میں کئی مواقع پر ہماری رہنمائی فرمائی۔ ان مقامات میں سے ایک مقام پر اللہ تعالیٰ نے ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يَاْمُرُ بِالْعَدْلِ وَالْاِحْسَانِ وَاِيْتَآءِ ذِي الْقُرْبٰى وَيَنْهٰى عَنِ الْفَحْشَآءِ وَالْمُنْكَرِ وَالْبَغْيِ يَعِظُكُمْ لَعَلَّكُمْ تَذَكَّرُوْنَ۔ وَاَوْفُوْا بِعَهْدِ اللّٰهِ اِذَا عٰهَدْتُّمْ وَلَا تَنْقُضُوا الْاَيْمَانَ بَعْدَ تَوْكِيْدِهَا وَقَدْ جَعَلْتُمُ اللّٰهَ عَلَيْكُمْ كَفِيْلًا اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ مَا تَفْعَلُوْنَ۔ (النحل: ۹۰۔۹۱)

”بے شک اللہ (ہر ایک کے ساتھ) عدل اور احسان کا حکم فرماتا ہے اور قرابت داروں کو دیتے رہنے کا اور بے حیائی اور برے کاموں اور سرکشی و نافرمانی سے منع فرماتا ہے، وہ تمہیں نصیحت فرماتا ہے تاکہ تم خوب یاد رکھو۔ اور تم اللہ کا عہد پورا کر دیا کرو جب تم عہد کرو اور قسموں کو پختہ کر لینے کے بعد انہیں مت توڑا کرو حالاں کہ تم اللہ کو اپنے آپ پر ضامن بنا چکے ہو، بے شک اللہ خوب جانتا ہے جو کچھ تم کرتے ہو۔“

اس فرمانِ الٰہی میں پریشانیوں اور مصائب کے حل کا ایک مکمل پیکج موجود ہے۔ اس کی روشنی میں ہم یہ جائزہ لے سکتے ہیں کہ اس کے فرامین کیا ہیں اور اس حوالے سے ہمارا طرزِ عمل کیا ہے؟ اگر ہم اللہ تعالیٰ کے لطف، عطا، کرم اور اس کے جود و سخا سے حصہ لینا چاہتے ہیں تو ان آیات میں مذکور درج ذیل احکام پر عمل کرنا ہوگا:

ا۔ عدل وانصاف قائم کرنا

اللہ تعالیٰ ہمیں معاشرے میں عدل، مساوات اور انصاف قائم کرنے کا حکم دیتا ہے۔ یاد رکھیں کہ اگر عدل کا فقدان ہوگا تو رحمت کا بھی فقدان ہوگا۔ جس طرح گناہ کی زیادتی سے عمر اور رزق کم ہو جاتا ہے اور اللہ کی لطف و عطا کا سلسلہ منقطع ہو جاتا ہے، اسی طرح عدل وانصاف کے نہ ہونے کے سبب بھی رحمت سے محرومی مقدر بنتی ہے۔ انسانی معاشرے میں قانون اور نظام عدل کے لازمی نفاذ کے بغیر غلامی، ظلم و ستم، جبر و طاغوت اور استحصال پر مبنی نظام ختم نہیں ہو سکتا۔ اگر معاشرے کو امن کا گہوارہ بنانا چاہتے ہیں تو اللہ رب العزت کے حکم کے مطابق یہاں عدل وانصاف کو ہر قدم پر رواج دینا ہوگا اور عدل، انصاف اور مساوات کے قوانین کو غلامی سے بچانا ہوگا۔

لغت میں عدل کا معنی یہ ہے کہ: وضع الشئی فی محلہ

ہر شے کو اس کے محل (مقام) پر رکھنا عدل ہے۔

یعنی ظالم کو کٹہرے میں ہونا چاہیے۔۔۔ مظلوم کی داد رسی ہونا چاہیے۔۔۔ جہاں عالم کو ہونا چاہیے، وہاں عالم ہو۔۔۔ جہاں قاضی کو ہونا چاہیے، وہاں قاضی ہو۔۔۔ الغرض والدین، اساتذہ اور طلبہ میں سے جو جس بھی مقام کا اہل ہے، اسے وہاں ہونا چاہیے۔ اسی طرح جہاں ایک مطیع اور فرمانبردار بندے کو ہونا چاہیے، بندہ اپنے اسی مقامِ بندگی پر رہے۔ یہی وجہ ہے کہ کسی ولی اللہ نے کہا تھا کہ بندہ بن، خدا نہ بن۔ یعنی بندہ اپنے مقام پر رہے۔

عدل کے حوالے سے ہم محدود تصور کا شکار ہیں۔ ہم سمجھتے ہیں کہ صرف عدالتیں ہی عدل و انصاف دینے کی پابند ہیں۔ ایسا نہیں ہے۔ معاشرے کے ہر طبقہ اور ہر فرد کو اپنی اپنی حیثیت میں اور اپنے اپنے مقام پر ہر صورت عدل وانصاف کو نافذ کرنا ہوگا۔ جس کا جو کام اور ذمہ داری ہے، وہ اس کام کو کماحقہ سرانجام دے۔ جن کا کام تعلیم و تربیت دینا ہے، وہ اپنے اس منصب سے انصاف کریں، جنھیں منصف کے عہدہ پر بٹھایا گیا ہے، وہ کسی بھی صورت عدل وانصاف کے دامن کو ہاتھ سے نہ چھوڑیں۔۔۔ حاکم اپنی ذمہ داریوں کے حوالے سے عدل وانصاف سے کام لیں۔۔۔ اسی طرح والدین، طلبہ، تاجر اور معاشرے کا ہر طبقہ اگر اپنی ذمہ داریوں کے عین مطابق اپنے فرائض سرانجام دیتا ہے تو اس کا یہ عمل اپنی ذمہ داریوں کے ساتھ عدل وانصاف ہوگا۔

معاشرے میں خرابی اس وقت پیدا ہوتی ہے جب ہم overlapping یعنی دوسرے کے کاموں میں مداخلت شروع کرتے ہیں اور ان کے اختیارات بھی اپنے ہاتھ میں لے لیتے ہیں۔ مقننہ، انتظامیہ (administration) کو overlap کرتی ہے، عدلیہ، مقننہ کو overlap کرتی ہے،

مقننہ؛ عدلیہ کے راستے میں رکاوٹ بنتی ہے، عدلیہ؛ انتظامی امور میں دخل اندازی کرتی ہے۔

(۱) ریاستِ مدینہ کی بنیاد عدل وانصاف پر رکھی گئی

آقا علیہ السلام نے عدل وانصاف اور امن اوامان پر مبنی ریاستِ مدینہ کی صورت میں ایک معاشرہ عطا کیا تھا۔ جہاں رہنے والے ہر شخص کو بلا تفریق عدل وانصاف کی ضمانت دی گئی تھی۔ آپ ﷺ نے ریاست مدینہ کے آئین (میثاق مدینہ) کے دو آرٹیکلز (آرٹیکل نمبر 16 اور 26) پر اس عدل وانصاف کی بنیاد قائم فرمائی۔ ان آرٹیکلز میں آپ ﷺ نے عدل کی تعریف، اس کا نظام، قواعد وضوابط اور code of conduct (نظام العمل) بھی واضح فرمادیا۔ میثاقِ مدینہ کے آرٹیکل نمبر 16 میں آپ ﷺ نے فرمایا:

وإن المؤمنين المتقين على من بغى منهم أو ابتغى دسيعة ظلم أو إثم أو عدوان أو فساد بين المؤمنين وإن أيديهم عليه جميعا ولو كان ولد أحدهم۔

(ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۳: ۳۳)

یعنی اس ریاست مدینہ میں رہنے والے تمام تقوی شعار مومن اس شخص کے خلاف متحد ہو جائیں گے، جو سرکشی اختیار کرے گا، جو قانون شکنی کرے گا، ظلم کرے گا، گناہ پر مبنی زندگی پر اصرار کرتا چلا جائے گا، جو بدعنوانی کا ارتکاب کرے گا، جو پر امن اہلِ مدینہ کو فتنہ وفساد میں مبتلا کرے گا۔ ایسے شخص کے بارے میں ایمان والوں کو میں حکم دیتا ہوں کہ اس کے مواخذہ کے لیے ریاستِ مدینہ میں رہنے والے باشندوں کے ہاتھ ایک ساتھ اٹھیں گے۔ خواہ وہ کسی بڑے خاندان کے بڑے باپ کا بیٹا ہی کیوں نہ ہو۔

آپ ﷺ نے عدل اور انصاف کے تقاضے واضح فرمادیے کہ معاشرے میں یہ روش ہو گی تو خیر ہو گی لیکن اگر بڑے بچ جائیں اور کمزور ہتھیا لیے جائیں، بڑوں اور طاقتوروں کے لیے کئی حیلے اور بہانے ڈھونڈ لیے جائیں، قانون بدل لیے جائیں تو پھر وہاں عدل، انصاف، خیر، امن اور سکون قائم نہیں ہو سکتا۔

حضور نبی اکرم ﷺ نے اس عدل وانصاف کو صرف زبانی حد تک نہ رکھا بلکہ اس کے معیار کی مثال بھی خود وضع فرمادی۔ جب ایک بڑے خاندان کی بیٹی مخزومیہ چوری کرتے پکڑی گئی اور اس پر حد جاری ہونے لگی تو لوگوں نے حضرت اسامہ بن زید کو آپ ﷺ کی بارگاہ میں سفارشی بنا کر بھیجا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

أَتَشْفَعُ فِي حَدٍّ مِنْ حُدُودِ اللهِ ثُمَّ قَامَ فَاخْتَطَبَ ثُمَّ قَالَ إِنَّمَا أَهْلَكَ الَّذِينَ قَبْلَكُمْ أَنَّهُمْ كَانُوا إِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الشَّرِيفُ تَرَكُوهُ وَإِذَا سَرَقَ فِيهِمُ الضَّعِيفُ أَقَامُوا عَلَيْهِ الْحَدَّ وَايْمُ اللهِ لَوْ أَنَّ فَاطِمَةَ بِنْتَ مُحَمَّدٍ سَرَقَتْ لَقَطَعْتُ يَدَهَا۔

”اے اسامہ کیا تو اللہ کی حدود میں سے ایک حد کے بارے میں مجھ سے سفارش کرتا ہے؟ پھر

آپ ﷺ نے کھڑے ہو کر خطبہ دیا اور فرمایا: تم سے پہلے کے لوگ اس لیے ہلاک ہوگئے کہ وہ کمزوروں پر تو حد قائم کرتے لیکن بلند مرتبہ لوگوں کو چھوڑ دیتے تھے۔ اس ذات کی قسم جس کے ہاتھ میں میری جان ہے۔ اگر فاطمہ (رضی اللہ عنہا) نے بھی (چوری) کی ہوتی تو میں اس کا بھی ہاتھ کاٹ لیتا۔"

(صحیح بخاری، کتاب الانبیاء، ۳: ۱۲۸۲، رقم: ۳۲۸۸)

معلوم ہوا کہ طاقتوروں اور مالداروں کو اُن کے ظلم کے باوجود بچانا اور انھیں سزا نہ دینا، یہ آج کی بات نہیں ہے بلکہ اُس دور میں بھی جب کوئی طاقتور اور ظالم پکڑا جاتا تو اس کو بچانے والا کوئی سفارشی آ جاتا اور اسے بچا کر لے جاتا جبکہ اگر کوئی غریب پکڑا جاتا، جس کے ساتھ کسی کے مفادات نہ ہوتے اور جس کا کوئی سفارشی نہ ہوتا تو اس پر حد نافذ کر دیتے۔ جس معاشرے میں ایسا عدل و انصاف ہوگا، جس کی مثال حضور نبی اکرم ﷺ نے اپنے قول و عمل سے قائم فرمائی، وہاں لوگوں کو رزق کی فراوانی ہوگی اور معاشرہ امن، سکون اور خوشحالی کا گہوارہ ہوگا۔

میثاق مدینہ کے آرٹیکل نمبر 26 میں آپ ﷺ نے فرمایا:

وإنه من اعتبط مؤمنا قتلا عن بينة فإنه قود به إلا أن يرضى ولي المقتول وإن المؤمنين عليه كافة ولا يحل لهم إلا قيام عليه۔ (ابن ہشام، السیرۃ النبویہ، ۳: ۳۳)

یعنی اگر کسی مومن کو کسی شخص نے ناحق قتل کیا اور اس کی شہادت بھی واضح ہوگی تو اس پر حد نافذ ہوگی، اس قتل کے عوض کے ساتھ قصاص واجب ہو جائے گا سوائے اس کے کہ اس مقتول کا ولی خون بہا لینے پر راضی ہو جائے۔ تمام اہلِ ایمان مل کر اس کے قصاص کی تنفیذ کریں گے۔ اس سزا کو نافذ کرنے کے سواء تم پر کچھ اور حلال نہیں ہوگا۔ یعنی سب کھڑے ہو کر اس قاتل اور ظالم کو کٹہرے میں لاؤ گے اور اس کے خلاف آواز بھی بلند کرو گے۔

(۲) حکمران اور عوام کے اعمال کا باہمی تعلق

سوال پیدا ہو سکتا ہے کہ عدل تو عدل نافذ کرنے والے اداروں نے کرنا ہے۔ ہم کیا کریں؟ آپ ﷺ نے اس امر کی بھی وضاحت فرما دی کہ تمہارا فرض یہ ہے کہ تم کھڑے رہو گے۔۔۔ تم ظالم کا مواخذہ کرتے رہو گے۔۔۔ تم حق کی بات بلند کرتے رہو گے۔۔۔ تم ظلم سے نفرت کرتے رہو گے۔۔۔ اور مظلوم کا ساتھ دیتے رہو گے۔

جس معاشرے سے عدل ختم ہو جائے گا، اس کا وبال اس معاشرے میں رہنے والوں پر پڑے گا۔ آج ملکی حالات کے سبب عام بندہ یہ کہتا ہے کہ "آج ملکی معیشت ختم ہو گئی، جینا اجیرن ہو گیا، کاروبار ختم

ہونا شروع ہو گیا، وسائل محدود ہو گئے، دوائی مہنگی ہو گئی، پیٹرول مہنگا ہو گیا، الغرض ہر شے مہنگی ہو گئی، یہ سب تو حکمرانوں کی بداعمالیوں کے سبب ہے مگر ہم پر یہ مصائب کیوں۔۔۔؟'' اس حوالے سے آپ ﷺ نے واضح فرمادیا کہ جب تک تم ظلم کو قبول کرتے رہو گے، ظالم کے سامنے جھکتے رہو گے اور خاموشی سے اپنے نظام کے ساتھ سمجھوتہ کرتے رہو گے تو حکمرانوں کے اعمال کا وبال اسی طرح معاشرے پر پڑتا رہے گا۔ آپ ﷺ نے فرمایا:

انما زمانکم سلطانکم۔ فاذا صلح سلطانکم صلح زمانکم و واذا فسد سلطانکم فسد زمانکم۔

(البیہقی، السنن الکبریٰ، ۸: ۱۶۲، رقم: ۱۶۴۲۹)

بے شک تمہارے زمانے کے حالات کا دارومدار تمہارے حکمرانوں پر ہو گا۔ اگر تمہارے حکمران نیک و صالح ہوں گے تو تمہارا زمانہ بھی حالات کے اعتبار سے اچھا ہو گا۔ اگر تمہارے حکمران برے ہوں گے تو تمہارا زمانہ بھی برا ہو گا۔

حضرت ابو جلد سے روایت ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا:

یبعث علی الناس ملوك بذنوبهم۔

لوگوں پر ان کے گناہوں کی پاداش میں کرپٹ حکمران آئیں گے۔ (ابو نعیم، حلیۃ الاولیاء، ۶: ۵۹)

یعنی جیسے لوگ ہوں گے، ویسے حکمران ہوں گے۔ گناہ بڑھتے چلے جائیں گے تو کرپٹ حکمران بھی بڑھتے چلے جائیں گے۔ اگر گناہ سے معمور زندگی بسر کریں گے تو علم، عمل، عمر، رزق سے محرومی بھی ہو گی، خدا کی نافرمانی میں بھی شمار ہو گا، خدا کی رحمت، عدل اور انصاف سے بھی محروم ہوں گے اور کرپٹ حکمران بھی مسلط ہوتے چلے جائیں گے۔

ایک اور روایت میں ہے کہ

یکون علی الناس ملوك باعمالهم۔

(نعیم بن حماد، الفتن، ۱: ۱۱۵، رقم: ۲۶۴)

لوگوں پر حکمران ان کے اعمال کے عوض ہوں گے۔

یعنی جیسے اعمال ہوں گے، ویسے عُمّال اور حکمران ہوں گے۔ اگر ہم یہ کہیں کہ معاشرہ میں ظلم ہو رہا ہے تو یہ کہنے سے قبل ہمیں اپنے گریبان میں جھانکنا ہو گا کہ کیا ہم بھی کہیں اپنی حیثیت کے مطابق ظلم کے مرتکب تو نہیں ہو رہے۔۔۔؟ کیا ہم اپنے گھر والوں، والدین، بہن بھائی، رشتہ دار، دوست احباب، ہمسایوں سے زیادتی تو نہیں کر رہے۔۔۔؟ کیا ہم کسی کے مال پر غاصب بن کر تو نہیں بیٹھے ہوئے۔۔۔؟ کیا ہم کسی یتیم کا مال تو نہیں ہتھیا رہے۔۔۔؟ ہم صرف حکمرانوں کو ہی کیوں دیکھتے ہیں،

حالانکہ اس سے پہلے ہمیں اپنے آپ کو درست کرنا ہوگا۔ ہم نیکوکار ہوں گے تو نیکوکار حکمران آئیں گے۔۔۔ ہمارے اعمال بھلائی پر مبنی ہوں گے تو بھلائی کرنے والے حکمران آئیں گے لیکن اگر ہمارے اعمال ظلم پر مبنی ہوں گے تو ظالم حکمران آئیں گے۔

۲۔ پیکرِ احسان ہونا

مصائب اور پریشانیوں کا دوسرا حل ''احسان'' کرنا ہے۔ اللہ رب العزت نے احسان کو قرآن مجید میں دیگر مقامات پر بھی بیان فرمایا ہے۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّ اللّٰهَ يُحِبُّ الْمُحْسِنِيْنَ۔ (البقرہ، ۲: ۱۹۵)

''بے شک اللہ تعالیٰ محسنین سے محبت فرماتا ہے۔''

ایک اور مقام پر فرمایا:

هَلْ جَزَآءُ الْاِحْسَانِ اِلَّا الْاِحْسَانُ۔ (الرحمن: ۶۰)

''احسان کا بدلہ احسان کے سوا کچھ نہیں ہے۔''

عرف عام میں احسان بھلائی کو کہتے ہیں۔ اللہ رب العزت فرمارہا ہے کہ مجھے وہ لوگ پیارے لگتے ہیں جو پیکرِ بھلائی ہیں اور جن کے ہر قول اور عمل سے بھلائی کے سوا کچھ صادر نہیں ہوتا۔ جن کا وجود، چلنا پھرنا، اٹھنا بیٹھنا، کھانا پینا اور سننا دیکھنا تک بھلائی ہو جاتا ہے۔ گویا پیکرِ احسان اور محسن وہ شخص ہوتا ہے جس سے کسی کو نقصان، ظلم اور تکلیف نہیں پہنچتی۔ وہ سراسر پیکرِ رحمت ہوتا ہے۔۔۔ وہ جہاں قدم رکھے، وہاں خیر آ جاتی ہے۔۔۔ جس سے بات کرے، اس کے دل میں ٹھنڈک آجاتی ہے۔۔۔ نصیحت کرے تو دل میں اترتی چلی جاتی ہے۔ جب بندہ اس کردار کا حامل ہو جائے تو پھر اسے مقامِ احسان پر فائز کر دیا جاتا ہے۔

جس معاشرے میں احسان کرنے والے بڑھ جائیں تو اللہ تعالیٰ کے فرمان؛ ھل جزاء الاحسان الا الاحسان کے مصداق اس معاشرے کے رہنے والوں کو ''احسان'' ہی کی صورت میں جزا دی جاتی ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ جب میں اپنے محبوب کے امتیوں کو احسان اور بھلائی کرتا دیکھوں گا تو میں فرشتوں کو یہ کیوں نہیں کہوں گا کہ فرشتے جاؤ، یہ احسان والے ہیں، تم بھی ان کے ساتھ احسان ہی کرو۔۔۔ یہ بھلائی والے ہیں، تم بھی ان کے ساتھ بھلائی کرو۔۔۔ ان کو کشادہ رزق دیتے رہو۔۔۔ ان پر خیر اور سلامتی بھیجتے رہو۔۔۔ اور انہیں امن وامان کا گہوارہ بنائے رکھو۔

۳۔ صلہ رحمی

مصائب و پریشانیوں کا تیسرا حل اللہ تعالیٰ نے ''وایتاء ذی القربیٰ'' کی صورت میں عطا کیا ہے۔ یعنی قریبی رشتہ داروں کو ان کا حق ادا کرنا، انسان کو مصائب سے نجات دلاتا ہے۔ جس معاشرے

میں صلہ رحمی ختم ہو جائے اور خونی رشتے داروں کے ساتھ قطع رحمی کے معاملات شروع ہو جائیں تو وہاں اللہ کی رحمت کا نزول بند ہو جاتا ہے۔۔۔ رزق کی تنگی کم ہو جاتی ہے۔۔۔ عذابِ الٰہی نازل ہونا شروع ہو جاتا ہے اور لوگ مصیبت اور ابتلا میں مبتلا ہونا شروع ہو جاتے ہیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے جب مخلوق کو پیدا فرمایا تو اس کے فوراً بعد خونی رشتوں کو پیدا فرمایا۔ پھر اللہ رب العزت نے خونی رشتوں کو مخاطب بنا کر فرمایا کہ کیا تمہیں اس بات پر خوشی نہیں کہ میں تمہارے لیے ایک قاعدہ بیان کر دوں۔ خونی رشتوں نے کہا کہ مولا! وہ کیا ہے؟ فرمایا:

ان اصل من وصلك واقطع من قطعك۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، ۵: ۲۲۳۲، رقم: ۵۶۴۱)

جو تجھے جوڑے گا، میں اسے جوڑوں گا اور جو تجھے توڑے گا میں اسے توڑ دوں گا۔

گویا اللہ تعالیٰ نے واضح فرما دیا کہ جو ان رشتوں کو توڑتا ہے، میں اس سے اپنا تعلق توڑ لیتا ہوں اور جو ان رشتوں کو جوڑتا رہتا ہے، میں انہیں ہمیشہ اپنی بارگاہ سے جوڑے رکھتا ہوں۔

ایک اور مقام پر آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

ان الرحم شجنة من الرحمن، فقال الله من وصلك وصلته ومن قطعك قطعته۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، ۵: ۲۲۳۲، رقم: ۵۶۴۲)

خونی رشتے اللہ رب العزت کی رحمانیت کی ایک شاخ ہے۔ پس اللہ نے فرمایا (اے خونی رشتے) جس نے تجھے جوڑا، میں اسے جوڑے رکھوں گا اور جس نے تجھے توڑ دیا، میں نے بھی اسے اپنی بارگاہ سے توڑ دیا یعنی میرا بھی اس سے کوئی تعلق نہیں۔

صلہ رحمی دنیا اور آخرت میں فائدہ دیتی ہے۔ اس کا تعلق ہماری عمر، ہمارے رزق اور لوگوں سے پیار اور محبت میں اضافہ کے ساتھ بھی ہے۔ آقا علیہ الصلوۃ والسلام نے فرمایا:

من احب ان يبسط له فی رزقه وينسأ له فی اثره فليصل رحمه۔

(صحیح بخاری، کتاب الادب، ۵: ۲۲۳۲، رقم: ۵۶۴۰)

جو چاہتا ہے کہ اس کے رزق میں کشادگی آئے اور اس کی عمر میں برکت آئے تو وہ صلہ رحمی کرے۔

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے اپنے اس فرمان کے ذریعے رزق بڑھنے، عمر میں اضافے اور خیر آنے کا ایک کلیہ عطا کر دیا ہے۔ ہمیں چاہیے کہ ہم اس فرمانِ نبوی صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم پر عمل پیرا ہوتے ہوئے صلہ رحمی کو

اپنے اخلاق اور کردار کا حصہ بنالیں اور اپنے تمام خونی رشتہ داروں کے ساتھ ہر قسم کی ناراضگی کو ختم کردیں۔ جن کے ساتھ کوئی زیادتی کی ہے تو ان سے معافی مانگیں اور اگر اُن کی طرف سے کوئی زیادتی ہوئی ہے، تو انھیں معاف کردیں۔

حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں ایک شخص آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کی بارگاہ میں حاضر ہوا اور عرض کیا:

يا رسول الله إن لي قرابة أصلهم ويقطعوني وأحسن إليهم ويسيئون إلي وأحلم عنهم ويجهلون علي فقال لئن كنت كما قلت فكأنما تسفهم المل ولا يزال معك من الله ظهير عليهم ما دمت على ذلك۔

یارسول اللہ! میرے کچھ ایسے رشتہ دار ہیں کہ میں ان کے ساتھ صلح رحمی کرتا ہوں مگر وہ مجھ سے قطع رحمی کرتے ہیں، میں ان سے تعلق جوڑتا ہوں مگر وہ میرے ساتھ تعلق توڑتے ہیں، میں ان سے بھلائی کرتا ہوں مگر وہ میرے ساتھ برائی کرتے ہیں، میں ان کے سے بردباری سے پیش آتا ہوں۔ مگر وہ میرے ساتھ جہالت آمیز سلوک کرتے رہتے ہیں۔

آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا: اگر یہ بات ایسے ہی ہے جیسے تو نے بیان کی ہے تو جب تک تو یہ کرتا رہے گا، ان کے منہ میں دوزخ کی راکھ جاتی رہے گی اور جب تک تو یہ روش اور بھلائی کا رویہ جاری رکھے گا، اللہ کی بارگاہ سے ایک فرشتہ اتر جائے گا جو ہر وقت تیری مدد کر رہا ہوگا۔ (صحیح مسلم، کتاب البر والصلۃ والآداب، ۴: ۱۹۸۲، رقم: ۲۵۵۸)

حضور نبی اکرم صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم کے ایک اور فرمان میں رزق میں کشادگی، خیر اور رحمت کی ضمانت کو صلہ رحمی کے ساتھ مشروط کیا گیا ہے۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم نے فرمایا:

من اتقى ربه ووصل رحمه أنسئ له في عمره وثري ماله وأحبه أهله۔

(بخاری، الادب المفرد، ص: ۳۴، رقم: ۵۹)

جس نے اللہ رب العزت کا تقوی اختیار کیا اور صلہ رحمی کی، اس کی عمر بڑھ جائے گی، مال میں اضافہ ہوتا چلا جائے گا اور خاندان والے اس سے محبت کرنا شروع کردیں گے۔

اس فرمان میں تقوی اور صلہ رحمی کی صورت میں ہمیں مصائب کے حل کا نسخہ عطا کیا ہے۔ اللہ رب العزت ہمیں ان تعلیمات پر عمل پیرا ہونے اور اس معاشرے کو خوبصورت اور حسین و جمیل بنانے کی توفیق عطا فرمائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین صلی اللہ علیہ وآلہ وسلم۔

دہریت اور لامذہبیت

اعتراضات کا علمی محاکمہ

حصہ: 3

پروفیسر ڈاکٹر حسین محی الدین قادری

آج نوجوانوں میں دہریت اور لامذہبیت کے رجحانات بہت زیادہ بڑھ رہے ہیں۔ اس مسئلہ کا پسِ منظر، اسباب اور وہ دلائل اور اعتراضات جنھیں یہ اپنی بے بنیاد سوچ اور تصورات کو ثابت کرنے کی کوشش کرتے ہیں، ان تمام امور کا جائزہ ہم اس مضمون کے گزشتہ دو حصوں (شائع شدہ ماہنامہ منہاج القرآن ماہ جنوری اور ماہ مارچ 24ء) میں لے چکے ہیں۔ زیر نظر تحریر میں ہم اس طبقہ کی طرف سے کیے جانے والے مزید اعتراضات اور سوالات کا جائزہ لیں گے، جن کے جوابات عموماً ہمارے ناپختہ اذہان میں نہیں پائے جاتے اور اپنے دین کے ساتھ کمزور تعلق پر قائم رشتہ رکھنے والے نوجوان شکوک وشبہات کا شکار ہو جاتے ہیں۔

ہمارے نوجوان طلبہ و طالبات جو سکولز، کالجز اور یونیورسٹیز میں جاتے ہیں، وہ دہریت اور لا مذہب طبقہ کی باتیں سن کر گھبرا جاتے ہیں۔ بعد ازاں میڈیا، چینلز اور شب و روز رونما ہونے والے واقعات اس آگ میں ایندھن کا کام کرتے ہیں۔ ہر عمر کے لوگ خواہ وہ پروفیشنلز، ڈاکٹرز اور انجینئرز ہیں یا عام نوجوان جنھیں اپنے دین اور عقائد پر پختگی نہیں ہوتی، توحید، اللہ رب العزت کے وجود اور ضرورتِ مذہب پر واضحیت نہیں ہوتی، وہ اس طبقہ کے دلائل اور اعتراضات سے التباس کا شکار ہو جاتے ہیں۔ اس قسم کے سوالات انھیں بڑی آسانی سے اپنی طرف راغب کرتے ہیں اور پھر ان خیالات اور احساسات کو ارد گرد کا ماحول اور رونما ہونے والے واقعات ایندھن فراہم کر دیتے

ہیں۔ذیل میں دہریت اور لامذہب طبقہ کی طرف سے کیے جانے والے چند مزید اعتراضات بیان کرتے ہوئے ان کا علمی محاکمہ کیا جارہا ہے:

ا۔ کیا مذہب تمام مسائل کی جڑ ہے؟

اس طبقہ کی طرف سے مذاہب بالخصوص اسلام پر لگائے جانے والے اعتراضات میں سے ایک اعتراض یہ کیا جاتا ہے کہ مذہب بنیادی طور پر دنیا میں تمام مسائل کی جڑ ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ ''اگر مذہب نہ ہوتا تو 9/11 نہ ہوتا۔۔۔ مذہب نہ ہوتا تو برطانیہ میں 7/7 نہ ہوتا۔۔۔ مذہب نہ ہوتا تو تقسیم ہند نہ ہوتی۔۔۔ یہ مذہب ہی ہے جس کی وجہ سے عزت کے نام پر قتل عام کیا جاتا ہے۔۔۔ یہ مذہب ہی ہے جس کی وجہ سے بمباری، قتل و غارت اور جنگیں ہیں۔۔۔ مذہب ہی کی وجہ سے لوگوں کو ہاتھ کاٹنے، کوڑے مارنے اور اس طرح کی دیگر سزائیں دی جاتی ہیں۔'' گویا یہ طبقہ اس طرح کے بہت سارے کمزور نوعیت کے دلائل پیش کرتا ہے۔ عام نوجوان جو دینِ اسلام کی مبادیات سے بھی ناواقف ہیں، وہ جب ان دلائل کو سنتے ہیں اور پھر میڈیا اور دیگر ذرائع سے اس کے شواہد دیکھتے ہیں، تو وہ اس طرح کی باتیں سن کر ان کی طرف مائل ہو جاتے ہیں۔

جنگوں اور قتل و غارت گری کے پیچھے مذہب کے کارفرما ہونے کا اعتراض محض پروپیگنڈا ہے

اس طبقہ کے اس اعتراض اور سوال کے اندر ہی اس کا جواب بھی پوشیدہ ہے۔ اگر تمام جنگوں اور قتل و غارت گری کے پیچھے مذہب کارفرما ہے تو اعتراض کرنے والوں سے یہ سوال کیا جانا چاہیے کہ پوری دنیا میں اسلحہ بنانے والی فیکٹریز میں سے کوئی ایک فیکٹری بھی کسی مذہبی تنظیم کی نہیں ہے بلکہ تمام فیکٹریز سیاسی بنیادوں پر ملک بناتے ہیں اور اس کے اندر کہیں کبھی کوئی مذہب یا مذہبی افکار کارفرما نہیں ہوتے۔ یہ تمام جنگیں سیاسی مقاصد کے لیے لڑی جاتی ہیں۔ پہلی اور دوسری عالمی جنگ کی مثال لے لیں، وہاں مذہب نہیں بلکہ ان طاقتوں کے اپنے سیاسی مقاصد کارفرما تھے جس کی وجہ سے یہ جنگیں لڑی گئیں، اسلحہ بنایا گیا، قتل و غارت کا بازار گرم ہوا، ایٹم بمز کے ذریعے حملہ کیا گیا اور لاکھوں کی تعداد میں لوگ مارے گئے۔ ان تمام کے پیچھے مذہب،

مذہبی تصورات یا مذہبی عقائد کارفرما نہیں تھے۔ پس یہ تمام نقصانات ان طبقات سے پیدا ہوئے ہیں جو درحقیقت مذہبی تصورات کے قائل ہی نہیں ہیں اور اللہ رب العزت کے وجود کا انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ اپنے سیاسی و استعماری مقاصد کے لیے ایسی مہمات کرتے ہیں جس کے نتیجے میں خون ریزی ہوتی ہے اور انسان کی جان کا حرمت اور تقدس بھی باقی نہیں رہتا۔ پس اس طبقہ کی طرف سے کیے جانے والے اس اعتراض کے دلائل بنیادی طور پر بے بنیاد ہیں۔

اس طبقہ سے یہ پوچھا جانا چاہیے کہ اگر برصغیر کی تقسیم کی وجہ مذہب ہے تو جب آسٹریلیا، امریکہ اور ساؤتھ افریقہ نے برطانیہ سے آزادی حاصل کی تھی تو کیا اس آزادی کے پیچھے بھی مذہب کارفرما تھا؟ وہاں پر تمام ممالک ایک ہی مذہب کے ماننے والے تھے۔ پس یہ الزام ہی بے بنیاد ہے۔ دراصل آزادی انسان کا ایک بنیادی حق ہے جو اللہ رب العزت نے انسانیت کی فطرت میں رکھا ہے اور ہر انسان ایک آزاد فضا اور ریاست میں سانس لینا چاہتا ہے۔ جہاں پر اس کے حقوق کا تحفظ کیا جا سکے اور اس کی اگلی نسلیں ایک آزاد فضا میں پروان چڑھ سکیں۔

اسلحہ بنانے والی فیکٹریوں میں سے کسی ایک فیکٹری کی مالک بھی کیا کوئی مذہبی تنظیم ہے؟

افسوس کہ لامذہبیت اور دہریت کے اس اعتراض کے سامنے ہمارے نوجوان کا ذہنی معیار اور علم کی سطح بھی اس حد تک گر چکی ہے کہ وہ اس طرح کے بے بنیاد اور کمزور سوالات کا بھی جواب نہیں دے سکتے اور ان کی زبان پر بھی یہی سوالات جاری ہو جاتے ہیں۔ بدقسمتی سے آج ایسا ماحول بن گیا ہے کہ جو نوجوانوں اور یونیورسٹی و کالجز کے طلبہ و طالبات پر اثر انداز ہوتا ہے۔ ہمارے ہاں اگر مذہبی طبقہ میں سے کوئی شخص چوری کرلے، فریب و دھوکہ دے، کرپشن کرے یا کوئی بھی برا کام کرے تو الزام مذہب پر لگایا جاتا ہے اور اس طرح کے جملے بولے جاتے ہیں کہ ”دیکھو اس نے داڑھی رکھی ہوئی ہے، مگر چوری کرتا ہے“، ”یہ مذہبی آدمی ہے مگر اس نے یہ برا کام کیا ہے۔“ لیکن جب وہی چوری اور کرپشن کوئی سیکولر آدمی کرتا ہے تو سیکولر نظامِ تعلیم پر کوئی انگلی نہیں اٹھاتا، کوئی یہ نہیں کہتا کہ یہ ”سیکولر ہے، یہ ماڈرن تعلیمی اداروں سے پڑھا ہوا ہے مگر چوری کرتا ہے۔“ سوال یہ ہے کہ اگر سیکولر اور ماڈرن نظامِ تعلیم پر انگلی نہیں اٹھائی جاتی تو مذہبی

روپ رکھنے والے شخص کی کرپشن اور چوری پر اس شخص کا مذہب مورد الزام کیسے ٹھہرتا ہے۔

جس طبقے میں ہم بستے ہیں، بد قسمتی سے ہم نے خود ایسے تفکرات سے مذہب، اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق، محبت، دین کی رغبت اور دین کی ضرورت کو نظر انداز کیا ہے۔ جب ان سیکولر ادارہ جات کے اندر ہمارے بچے اس حال میں جاتے ہیں کہ وہ اپنی مذہبی بنیادوں پر پختہ نہیں ہیں تو باہر کے لوگوں سے باآسانی کمزور دلائل اور باتوں کو مان کر خود بھی اعتراضات اور سوالات اٹھانے والے طبقے کا حصہ بن جاتے ہیں۔

۲۔ نفسیاتی اور ذہنی امراض کا علاج مذہب پر اعتقاد میں ہے

اگر ہم سائنس اور میڈیکل تناظر سے بات کریں تو بذات خود سائنس، میڈیکل اور سائیکالوجی ایسے سوالات کا جواب فراہم کرتی ہے۔ سائیکالوجی خود اقرار کرتی ہے اور یہ امر سائنسی طور پر ثابت بھی ہے کہ آج کے دور میں مذہب پر اعتقاد، یقین اور ایمان رکھنا؛ ذہنی تناؤ اور depressions کا علاج ہے۔ یہ وہ امراض ہیں کہ ساری سائنسز مل کر بھی ان کا علاج نہیں کر پاتیں اور مریض کو ساری زندگی ادویات دیتی رہتی ہیں مگر ان کے ذہنی امراض کا علاج نہیں کر پاتیں۔ اگر مذہب بے وقعت اور بے کار شے ہے تو اللہ رب العزت نے مذہب میں ایسی کون سی طاقت رکھی ہے کہ یہ لوگوں کے ذہنی دباؤ کا علاج کرتا ہے۔

اس حوالے سے دہریے اور لامذہب کہتے ہیں کہ مذہب کے ذریعے لوگوں کے ذہنی دباؤ اور depressions کا علاج، در حقیقت Placebo effect ہے۔ Placebo effect یہ ہے کہ جب ایک مریض ڈاکٹر کو کہتا ہے کہ مجھے اس دوائی سے آرام نہیں آیا حالانکہ اس کا علاج اسی دوائی میں ہوتا ہے تو عقلمند ڈاکٹر سمجھ لیتا ہے کہ اب مریض کا نفسیاتی طور پر اس دوائی سے یقین اٹھ گیا ہے، پس وہ اس دوائی کے ساتھ ایک اور بے ضرر دوائی کا اضافہ کر دیتا ہے۔ جب مریض اس دوائی کے اضافے کے ساتھ پچھلی تجویز کردہ دوائی کو کھاتا ہے تو اسے آرام آنے لگ جاتا ہے۔ اسی طرح مذہب کے ذریعے ذہنی امراض کا علاج کے بارے میں دہریے اور لامذہب کہتے ہیں کہ ”در حقیقت مذہب؛ Placebo efect ہے۔ جب میڈیکل اور سائیکالوجی ہمیں یہ suggest کرتی ہے کہ ہماری روزمرہ کی زندگی میں depressions کا علاج مذہب مہیا کرتا ہے تو یہ در حقیقت Placebo efect ہے، حالانکہ اس کو آرام در حقیقت ان ہی ادویات سے آرہا ہوتا ہے۔“

اگر ان کی اس دلیل کو مان بھی لیں کہ ذہنی دباؤ کا علاج مذہب میں ہونا دراصل Placebo efect ہے تو بنیادی طور پر اس کے کیمیکلز، اس کی ساخت اور اصل میں تو برکت کا ہونا ثابت ہو جاتا ہے، چاہے اس کا جو بھی نام رکھ دیا جائے، جس کے نتیجے میں مذہب اور اللہ رب العزت کے ساتھ تعلق، اعتقاد اور امید کا تعلق انسان کے نفسیاتی اور ذہنی امراض کا علاج مہیا کرتا ہے۔

۳۔ اخلاقیات؛ مذہب کی عطا ہے

دنیا میں اخلاقیات اور اچھی عادات مذہب کی عطا ہے۔ یہ ہمارا اعتقاد ہے اور ہم ایسا ہی سمجھتے ہیں کہ اللہ رب العزت نے مذاہب کے ذریعے اچھی عادات اور اخلاقیات عطا فرمائی ہیں۔ یعنی ان اخلاقیات کا بنیادی ذریعہ مذاہب ہی ہیں جو مختلف ادوار میں اللہ رب العزت انبیاء کرام علیہم السلام کے ذریعے بھیجتا رہا ہے۔ مذہب اور وجودِ باری تعالیٰ کا انکار کرنے والے بالخصوص ڈارون تھیوری پر یقین رکھنے والے لوگ کہتے ہیں کہ ایسا نہیں ہے بلکہ اچھی عادات و اخلاقیات انسان کی فطرت میں ہے، اس کا تعلق مذہب سے نہیں ہے۔ مذاہب نے ہمیں یہ اخلاقیات نہیں دیں۔

اس کا جواب یہ ہے کہ اگر اخلاقیات انسان کی فطرت میں ہے اور نظامِ ریاست ہی اخلاقیات انسان کے اندر داخل کر سکتا ہے تو آج کے دور کی سب سے مہذب سوسائٹی امریکہ میں کچھ سال قبل جب ایک پولیس آفیسر کے ہاتھ سے ایک افریقن امریکن شہری کا قتل ہو گیا تھا تو چند گھنٹوں کے اندر شکاگو شہر کی صورت وہیں کے انتہائی مہذب معاشرے کے لوگوں نے یہ بنادی تھی کہ کوئی ایک دکان اور مکان بھی چوری سے محفوظ نہیں رہے تھے۔ وہ انتہائی مہذب معاشرہ اس وقت درندوں کا شہر لگ رہا تھا۔ قانون کی بالادستی اور ریاست کا کنٹرول کچھ دیر کے لیے ختم ہوا تو ان کے اندر اخلاقیات نامی کوئی شے نہ رہی جو انھیں کنٹرول میں رکھ سکتی۔ قانون کی بالادستی کی صورت میں بیرونی اور ریاستی طاقت جس نے انسان کو باندھ کر رکھا ہوا تھا، کچھ دیر کے لیے وہ طاقت ختم ہوئی تو اب وہاں کے لوگ جو کچھ کر رہے تھے، وہ ان کا اندر تھا۔

اس کے برعکس اگر کوئی صحیح مہذب اسلامی تعلیم یافتہ معاشرہ ہو، جو اسلام اور آقا علیہ الصلاۃ والسلام کی عطا کردہ تعلیمات کے ماننے والے ہوں تو وہ قانونی اور ریاستی طاقت کی غیر موجودگی میں بھی اخلاقیات کا دامن ہاتھ سے نہیں چھوڑتے۔ اس کی مثال ہم 2014ء کے دھرنے کی دے سکتے ہیں کہ جہاں پر ریاستی طاقت کا کوئی بیرونی نظام نہیں ہے لیکن 72 دن میں کسی ایک کی چھوٹی سی چوری بھی نہیں ہوتی۔ کسی کی رقم بھی گر جاتی ہے تو وہ بھی اس تک پہنچا دی جاتی ہے۔ کھانے پینے کی

اشیاء طاقت کے باوجود کوئی چوری نہیں کرتا اور لوگ ان حالات میں بھی پیسے دے کر اسے خریدتے ہیں۔ اس دھرنے میں کوئی پولیس آفیسر داخل بھی نہیں ہو سکتا لیکن پھر بھی وہاں پر ہر چیز کنٹرول میں تھی۔ ایسا کیونکر ممکن ہوا۔۔۔؟ درحقیقت یہ دین اور انسان کے باطن کی اخلاقیات تھیں جو اس نظام کو چلا رہی تھیں۔ پس اگر کوئی انسان اکیلا بھی کہیں بستا ہو مگر اس کے اندر اخلاقیات کا درس اللہ اور اس کے رسول ﷺ کی طرف سے آیا ہوا ہے تو وہ اکیلا بھی اللہ رب العزت کا خوف رکھے گا۔

اگر کوئی یہ کہتا ہے کہ اخلاقیات دین نے نہیں دی بلکہ دنیا کی دی ہوئی ہے تو کسی معاشرے سے قانون اور ریاست کی بالادستی اور اثر و نفوذ کا نظام تھوڑی دیر کے لیے منقطع کر کے دیکھے تو اسے سارا منظر واضح ہو جائے گا۔ ملکی اور بین الاقوامی سطح پر اس طرح کی بیسیوں مثالیں ہیں۔ پس یاد رکھیں کہ جہاں پر مذہب کو ماننے والا کوئی مہذب انسان رہتا ہے اور کوئی اسے نہ بھی دیکھ رہا ہو، تب بھی اسے احساس رہتا ہے کہ میرا مولا مجھے دیکھ رہا ہے، لہٰذا وہ نظم و ضبط میں رہتا ہے اور اخلاقیات کا دامن نہیں چھوڑتا۔

پس معلوم ہوا کہ کسی ملک کے قانون اور ریاستی طاقت نے اخلاقیات نہیں دیں بلکہ اخلاقیات کا درس مذہب نے دیا ہے، کوئی بھی ملک محض قانون کی بالادستی اور ریاستی طاقت سے معاشرہ میں اخلاقیات قائم نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی یہ کہے کہ بین الاقوامی قوانین اور چیک اینڈ بیلنس کے نظام کی وجہ سے اخلاقیات قائم ہیں تو سوال پیدا ہوتا ہے کہ پاپانیوگنی نامی ملک میں 1998ء تک انسانی گوشت کیوں کھایا جاتا رہا اور بازاروں میں انسانی گوشت کیوں فروخت ہوتا رہا؟ اگر 1998ء تک بین الاقوامی قانون اس بیابان اور دور دراز تک کے علاقے میں نہیں پہنچا تو اس وقت تک وہاں پر اخلاقیات بھی نہیں تھیں، بعد ازاں قانون کی طاقت نے ان کے اس عمل پر پابندی لگا دی لیکن اگر انسان میں اللہ رب العزت کا خوف ہو اور وہاں پر ریاست جتنی بھی کمزور ہو تو وہ خوف انسان کو اخلاقیات کے نظم میں سمو دیتا ہے۔

۴۔ ثقافتی اور کلچرل مسائل کا تعلق مذہب سے قائم کرنا درست نہیں

اسی طرح اس طبقہ کی طرف سے کئی ایسے الزامات ہیں جن کا تعلق مذہب سے نہیں بلکہ ان کا تعلق ثقافت اور کلچر سے ہے۔ ان مسائل کو مذہب سے جوڑنے کی وجہ یہ ہوتی ہے کہ کیونکہ اس علاقے کا کوئی مرکزی مذہب ہوتا ہے، چنانچہ سازش کے ساتھ الزام اسی مذہب کے سر پر دھر دیا جاتا ہے۔ مثال کے طور پر ایک الزام لگاتے ہیں کہ مسلمانوں کے ہاں خواتین کو ان کے حقوق کی آزادی نہیں ہے۔ وہ اس کا سبب مذہب کو ٹھہراتے ہیں حالانکہ ایسا نہیں ہے۔ اسلام میں تو شادی سے پہلے لڑکی کو لڑکا دیکھنے کا حق دیا گیا ہے

لیکن پاکستان، انڈیا اور افریقہ کے کئی ممالک کے اندر یہ حق لڑکی کو نہیں دیا جاتا۔ اب سوال یہ ہے کہ اس میں مذہب کی غلطی کہاں ہے۔۔۔؟ مذہب نے تو یہ حق دیا ہے۔ اس عمل کو جہالت اور کلچر کا نام تو دیا جاسکتا ہے کہ اس نے ایسا کر رکھا ہے مگر اس میں مذہب کو موردِ الزام نہیں ٹھہرایا جاسکتا۔

اگر شدت اور عورتوں کو ان کے حق نہ دینا مذہب کا مسئلہ ہوتا تو اسلام کے آنے سے پہلے تو بچیوں کو زندہ درگور کیا جاتا تھا، ان بچیوں کو جینے کا حق نہیں دیا جاتا تھا جبکہ دینِ اسلام نے آکر بچیوں کو زندگی دی ہے اور انھیں جینے کا حق عطا کیا ہے۔ یہ شاخسانہ تو لامذہبیت کا ہے کہ وہ عورتوں اور بچیوں سے اُن کے جینے کا بھی حق چھین لیتے ہیں۔ پس جہاں پر خدا خوفی نہ ہو وہاں پر حق تلفی ہوتی ہے اور جہاں پر خدا خوفی ہو، وہاں پر کوئی کسی کا حق تلف نہیں کرتا۔

۵۔ مذہبی لٹریچر اور کتب میں موجود غیر اخلاقی تحریروں کی حقیقت

ایک اور اعتراض جو اس طبقے کی طرف سے کیا جاتا ہے، وہ یہ ہے کہ وہ مذہبی لٹریچر کے اندر سے غیر اخلاقی نوعیت کی تحریریں نکال کر دلیل کے طور پر لاتے ہیں اور کہتے ہیں کہ ”دیکھو! اگر یہ سچا دین ہے تو کتنی کمزور اور سطحی بات فلاں فلاں کتاب میں درج ہے۔“ یہ طریقہ کار تو بدقسمتی سے آج مسالک کے مابین بھی ہو گیا ہے کہ ایک دوسرے کے مسلک کی بعد کے ادوار میں لکھی گئی کتابوں میں سے کمزور تحریریں نکال کر لاتے ہیں اور اصل شخصیات پر انگلی اٹھائی جاتی ہے۔ دہریہ اور لامذہب طبقہ یہی کچھ مذاہب کے ساتھ کرتا ہے۔ یعنی کسی کتاب سے کمزور بات مل گئی تو اسے دلیل بنا کر بانی مذہب پر سوال اٹھاتے ہیں اور پھر وہاں سے آگے بڑھ کر اللہ رب العزت کی ذات اور وجود پر سوال اٹھا دیتے ہیں۔ اس تناظر میں یہ سب سے زیادہ دلائل بائبل میں سے پیش کرتے ہیں۔ یعنی دین اور مذہب کو رد کرنے کے لیے اپنے زیادہ دلائل بائبل میں سے لاتے ہیں۔ بائبل کے بارے میں ہم جانتے ہیں کہ اس کے بہت سے versions ہیں۔ اس کی ترتیب اور اس کی compilation مختلف انداز میں ہوئی ہے اور کرسچن کمیونٹی خود بھی اسے تسلیم کرتی ہے۔ لہٰذا دہریت اور لامذہب فکر کے حاملین کو باآسانی بائبل کی تحریروں میں سے ایسے دلائل مل جاتے ہیں جنھیں یہ غیر اخلاقی قرار دیتے ہیں۔

تین سوال۔۔۔

اگر یہ طبقہ کسی تحریر کو غیر اخلاقی سمجھ کر مذہب کا انکاری ہے تو اس پر اس حوالے سے ان لوگوں سے میرے تین سوال ہیں:

۱۔ پہلا سوال یہ ہے کہ جس چیز کو یہ غیر اخلاقی قرار دے رہے ہیں، اس غیر اخلاقی کی بنیاد کیا ہے۔۔۔؟ جب ان کے نزدیک مذہب کے اخلاقیات؛ اخلاقیات ہی نہیں ہیں تو پھر انھیں یہ بات کس نے کہی کہ یہ غیر اخلاقی ہے۔۔۔؟ اگر انھوں نے اسے غیر اخلاقی قرار دینا ہے تو اس کا مطلب ہے کہ اس بات پر ان کا اعتقاد ہے کہ اخلاقیات مذہب کی دی ہوئی ہے۔

ایک atheist کی ایک معروف کتاب Why I am not Christian? ہے، اس کتاب کو دہریے اپنی دلیل بناتے ہیں اور اس کا بہت تذکرہ کرتے ہیں۔ اس کتاب کے آغاز میں ایک واقعہ درج ہے کہ ''ایک یہودی خاندان atheist ہو گیا اور اللہ کے وجود سے انکاری ہو گیا۔ بعد میں وہ کسی شہر میں منتقل ہوئے اور اس فیملی کے بچے کیتھولک کرسچن سکول میں جانے لگ گئے۔ اس سکول میں تثلیث (trinity) کا تصور تھا یعنی وہاں پر ایک خدا کی نہیں بلکہ تین کی بات ہو رہی تھی۔ بچے نے گھر واپس آ کر اپنے باپ کو کہا کہ باباخدا تو تین ہوتے ہیں۔ باپ نے سمجھایا کہ نہیں، بیٹا! ایسی بات نہیں ہے، خدا تین نہیں ہوتے بلکہ خدا کا وجود ہی نہیں ہے۔ بچے نے کہا کہ میری ٹیچر نے مجھے بتایا ہے کہ خدا تو تین ہیں۔ باپ کافی دیر اس بچے کو سمجھاتا رہا۔ پھر وہ اصل احساس جو کسی کی ضد میں چھوڑ رکھا ہوتا ہے، اس نے جوش مارا اور اس نے اپنے بیٹے سے کہا کہ اب میری بات دھیان سے سن لو کہ خدا ایک ہی ہے جسے 2 ہم نہیں مانتے۔''

بتانا مقصود یہ ہے کہ اگر اس طبقہ کو کسی تحریر میں غیر اخلاقی بات نظر آتی ہے تو انھوں نے جس پیمانے پر اسے غیر اخلاقی قرار دیا ہے، وہ پیمانہ انھیں مذہب نے دیا ہے جو ان کے لاشعور میں ہے لیکن اب وہ ضد میں اس کا انکار کرتے ہیں۔

۲۔ مذہبی لٹریچر میں موجود غیر اخلاقی تحریروں پر دہریوں اور لا مذہب کے اعتراضات کے حوالے سے میرا دوسرا سوال یہ ہے کہ یہ لوگ بائبل، ہندومت اور دیگر مذاہب کے لٹریچر سے کچھ واقعات اور کہانیاں کو بطور دلائل بیان کرتے ہیں اور ان دلائل پر اعتراضات قائم کرتے ہوئے اسلام جیسے حقانی مذہب کا بھی انکار کرتے ہیں۔ یہ لوگ ایک دلیل بھی قرآن سے نہیں لا پاتے۔ میرا سوال یہ ہے کہ اگر انھیں مذہبی کتابوں کا رد کرنا ہے تو دلیل قرآن مجید سے لائیں کیونکہ ان تمام مذہبی کتابوں میں سے قرآن مجید وہ کتاب ہے جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے خود ضمانت دی ہے۔ انھیں اگر اللہ رب العزت کے وجود اور مذہب کی ضرورت کا انکار کرنا ہے تو پھر سب سے قابل اعتماد ذریعہ قرآن کی صورت میں موجود ہے، وہ یہاں سے اپنی بات کے دلائل دیں۔ حقیقت یہ ہے کہ وہ قرآن مجید سے اپنے اعتراض پر کوئی دلیل پیش نہیں کر سکتے۔

یہی وجہ ہے کہ وہ جب بھی اسلام کی بات کریں گے تو واقعاتی دلائل لائیں گے، مسلمانوں کی حرکات کو دلیل بنائیں گے لیکن قرآن پر انگلی نہیں اٹھا سکتے اور وہاں سے ایک بھی سطر کمزور ثابت نہیں کر سکتے۔ یہ جب بھی Textual اعتراض لائیں گے تو بائبل سے لائیں گے اور جب واقعاتی اعتراض لائیں گے تو پھر مسلمانوں میں اعتراض ڈھونڈتے ہیں۔ اگر انھیں یہ کرنا ہے تو پھر انصاف کریں، Textual اعتراض کرنا ہے تو قرآن کے متن میں سے اعتراض لائیں، اس میں سے کمزوری تلاش کریں۔ جس کے بارے میں اللہ رب العزت نے ضمانت عطا کی ہے کہ یہ میرا کلام ہے۔ باقی آسمانی کتابیں تو انبیاء کرام علیہم السلام کی سوانح حیات (Biographies) ہیں اور ان کے کلمات ہیں۔

دنیا میں اخلاقیات، امن، بنیادی انسانی حقوق کا تحفظ اور اچھی عادات مذہب کی عطا ہیں

مثال کے طور پر بائبل کا مطالعہ کریں تو بیشتر آیات اس طرح ہیں جس طرح ہم حدیث قدسی کو روایت کرتے ہیں کہ آقا علیہ الصلاۃ والسلام نے فرمایا کہ اللہ رب العزت یوں فرماتا ہے۔ اسی طرح بائبل میں بھی ہمیں اسی طرح کی زبان نظر آتی ہے کہ بائبل لکھنے والا یہ کہتا ہے کہ سیدنا عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا اور حضرت عیسیٰ علیہ السلام نے یہ فرمایا کہ اللہ تعالیٰ یہ فرماتا ہے۔ اس تناظر میں تو بائبل کا متن اسلامی اصطلاح میں درجہ حدیث کی طرح کا ہوگا۔ پس صحیح الوہی کلام اور اللہ تعالیٰ کی آسمانی کتاب جس کی حفاظت کا ذمہ اللہ نے خود لیا ہے، وہ قرآن ہی ہے۔ لہٰذا اگر دہریے اور لامذہب خدا کے وجود اور ضرورتِ مذہب کا انکار کرتے ہیں تو پھر قرآن مجید سے دلیل لائیں۔

نوجوان طلبہ وطالبات اور ہر مسلمان اس دلیل کو ذہن نشین کر لے کہ جب بھی کوئی اس طرح کی بات کرے تو اسے کہیں کہ مجھے دوسری کتابوں کے متن (text) کی بات نہ کرو بلکہ قرآن سے دلیل لاؤ، قرآن کی کسی آیت کا رد کر کے دکھاؤ، اس میں سے کوئی نقص اور کوئی کمزوری تلاش کر کے دکھاؤ۔ جب وہ ایسا نہیں کر پائے گا تو بذات خود ان کے دلائل کمزور ہو جائیں گے۔

۳۔ جب وہ کسی کتاب میں سے کوئی کمزور سطر تلاش کرتے ہیں اور اس کتاب کی ثقاہت پر اعتراض کرتے ہیں تو میرا اس پر تیسرا سوال یہ ہے کہ اس کمزور سطر سے خدا کے وجود کا انکار

کہاں سے ثابت ہو جاتا ہے۔۔۔؟ لکھنے والا انسان ہے، ایک واقعہ رونما ہوا، ان مذہبی کتب کے کئی versions ہیں جن میں ہر ایک نے مختلف انداز سے لکھا ہے تو کسی کی اس تحریر سے خدا کے وجود کا انکار کیسے ہو جاتا ہے۔

اس کو علوم الحدیث کی مثال سے سمجھیں کہ محدثین نے حدیث کو صحیح، حسن، ضعیف اور دیگر اقسام میں تقسیم کیا ہے۔ اب حدیث کی اقسام بنا دینے سے اس متن کی ثقاہت تو قابلِ سوال ہو سکتی ہے لیکن کیا کسی کمزور حدیث کو پڑھ کر معاذ اللہ آقا علیہ السلام کے ہونے کا انکار کر دیں گے کہ اللہ تعالیٰ نے آقا علیہ السلام کی ذات بابرکات کو کبھی بھیجا ہی نہیں تھا۔ کسی کی تحریر یا متن سے کسی کی ذات کا انکار نہیں ہوتا۔ دہریے جب اپنی کتابوں میں درج کرتے ہیں کہ ''کیونکہ فلاں کتاب کا Text (متن) کمزور ہے، غیر عقلی (illogical) ہے یا ہماری فہم اور سمجھ میں آنے والی بات نہیں ہے، اس لیے خدا ہے ہی نہیں،'' تو ان کی یہ بات عقلاً قبول نہیں کی جاسکتی۔ جب کسی کے بیان کی کمزوری سے کسی کے وجود کا انکار نہیں ہوتا تو کسی کتاب کی تحریر سے خدا کے وجود کا انکار کہاں سے ہو جاتا ہے۔۔۔؟ پس اگر کوئی دلیل کے طور پر کسی بھی مذہبی کتاب کی کمزور تحریر لاتا ہے تو وہ لکھنے والے کی غلطی تو ہو سکتی ہے لیکن اس سے اللہ رب العزت کی ذات، اس کے وجود اور اس کے مالک و خالق کائنات ہونے کا انکار نہیں کیا جاسکتا۔

تمام لوگ بالخصوص نوجوان اور طلبہ و طالبات ان دلائل کو سمجھیں اور اپنے آپ کو عقلی طور پر پختہ کریں۔ طلبہ جن اداروں اور تعلیمی درسگاہوں میں پڑھنے جاتے ہیں، وہاں بے شمار ایسے فتنے اور باتیں کرنے والے لوگ ان کے درمیان ہوتے ہیں، اگر طلبہ عقلی دلائل اور دین پر اعتقاد کے حوالے سے کمزور ہوں گے تو اس طبقہ کی کمزور سے کمزور دلیل بھی انھیں بہالے جائے گی اور ان کے عقائد کو تباہ و برباد کر دے گی۔ لہذا عقل (logics) کو استعمال کریں، مطالعہ کریں اور سب سے بڑھ کر یہ کہ دل میں اپنے دین کی محبت ضرور پیدا کریں۔ دین سے محبت ہو تو پھر دلائل بھی سمجھ آجاتے ہیں اور logic بھی آجاتی ہے لیکن اگر خود ہی دین سے متنفر ہیں، دین دوری اور دین بیزاری ہے، دین قید کرنے والا لگتا ہے تو پھر اپنے دلائل کے بجائے دوسروں کے دلائل ہی اچھے لگیں گے۔ اس صورت میں اپنے اوپر الزام اور سوال اٹھاتے رہیں لیکن دین اور اللہ رب العزت کے وجود پر سوال اٹھانے کا کوئی حق نہیں۔ (جاری ہے)

اَخلاقی انحطاط کے تدارک میں ایمان کا کردار

ڈاکٹر شفاقت علی شیخ

عصرِ حاضر میں اخلاقی انحطاط معاشرے کو بہت تیزی سے اپنی لپیٹ میں لے رہا ہے، انسان کی انفرادی واجتماعی زندگی ہر آئے دن روحانی واخلاقی اعتبار سے گراوٹ کا شکار ہوتی چلی جارہی ہے۔اس اخلاقی انحطاط کے انسداد کے بہت سے حل ہیں مگر سب سے بنیادی اور اہمیت کا حامل حل ''ایمان'' کی صورت میں موجود ہے۔ذیل میں قرآن وحدیث کی تعلیمات کی روشنی میں اخلاقی انحطاط کے تدارک میں ایمان کی اہمیت اور کردار کو واضح کیا جارہا ہے:

افراد اور معاشروں کی اصلاح بغیر کسی اُصول وضابطہ کے محض اتفاقات کے تھپیڑوں سے نہیں ہو جایا کرتی بلکہ اس کے لیے واضح لائحہ عمل درکار ہوا کرتا ہے۔جو لوگ گرنے کے بعد سنبھلنے اور زوال کے بعد عروج کے آرزو مند ہوتے ہیں، وہ اپنے سامنے تربیت کا ایک ٹھوس پروگرام اور عزمِ مصمم رکھتے ہیں، جس پر عمل پیرا ہوئے بغیر رفعت وسربلندی کا کوئی مقام حاصل نہیں ہو سکتا۔یہ اللہ تعالیٰ کی سنت ہے جسے قرانِ مجید میں بڑے دوٹوک انداز میں یوں بیان کیا گیا ہے:

اِنَّ اللّٰہَ لَا یُغَیِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰی یُغَیِّرُوْا مَا بِاَنْفُسِہِمْ۔ (الرعد،۱۳: ۱۱)

''بے شک اللہ کسی قوم کی حالت کو نہیں بدلتا یہاں تک کہ وہ لوگ اپنے آپ میں خود تبدیلی پیدا کر ڈالیں۔''

لیکن اپنی حالت کو بدلنے والا کام بہت مشکل ہے۔ دریاؤں کے رُخ بدلنے آسان ہیں، زمین کا سینہ شق کرنا، پہاڑوں کے جگر چیرنا اور طوفانوں کا رُخ موڑ دینا آسان ہے لیکن قلوب و نفوس میں تبدیلی اور طبائع کی اصلاح کہیں زیادہ دشوار ہے۔ تاہم یہ کام ناممکن نہیں ہے۔ اس مشکل کو آسان بنانے والی قوت ایک ہی ہے اور اُس کا نام ہے۔۔۔ ایمان۔

ماہرین نفسیات کا کہنا ہے کہ انسان کی تربیت و اصلاح کا ایک وقت معین ہوتا ہے یعنی عہدِ طفولیت۔ اگر یہ وقت گزر جائے تو پھر تکوینِ عادات اور تہذیب اخلاق کی کاوشیں بے سود ہوتی ہیں۔ اسی طرح یہ بھی کہا جاتا ہے کہ انسان جس ماحول میں پیدا ہوتا، بڑھتا اور پروان چڑھتا ہے، وہ بھی اُس کے اصلاح و بگاڑ کا بہت حد تک ذمہ دار ہوتا ہے اور آدمی بالعموم اُسی سانچے میں ڈھل جاتا ہے۔ لیکن یہاں جس قوتِ ایمانی کا ذکر کیا جارہا ہے اُس کی معجز نمائی اور کارفرمائی ہر حال میں مسلمہ ہے۔ خواہ آدمی عمر کے کسی بھی حصہ میں ہو اور اُس کا ماحول اور ارد گرد کے حالات اُس کی تبدیلی کی راہ میں کتنی ہی بڑی دیوار بن کر کھڑے ہوں لیکن ایمان کی ایک لہر ہی اُس کے دل و دماغ کو بدل کر رکھ دیتی ہے۔

> **تربیت و اصلاح عہدِ طفولیت میں ہی ممکن ہے، یہ وقت گزر جائے تو اصلاح کی کاوشیں بے سود ہوتی ہیں**

اس نکتے کی وضاحت کے لیے تاریخ کے اوراق سے کئی مثالیں پیش کی جاسکتی ہیں لیکن یہاں صرف دربارِ فرعون سے وابستہ جادوگروں کی قلبِ ماہیت کے ایک واقعہ پر اکتفا کیا جارہا ہے کہ جب فرعون نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کا مقابلہ کرنے کے لیے جادوگروں کو طلب کیا تو انھوں نے حضرت موسیٰ علیہ السلام پر غالب آنے کی صورت میں ایک بڑے انعام کی تمنا رکھی مگر جب وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام کے مقابلے میں مغلوب ہوگئے اور شکست کھا گئے تو وہ حضرت موسیٰ علیہ السلام پر ایمان لے آئے۔ ایمان لانے سے قبل وہ انعام و اکرام کے لالچی تھے مگر جب ایمان نے اُن کے دل و دماغ میں گھر کر لیا ہے تو اب وہ اُسی فرعون کے سامنے سینہ تان کر کہتے ہیں:

قَالُوْا لَنْ نُّؤْثِرَكَ عَلٰى مَا جَآءَنَا مِنَ الْبَيِّنٰتِ وَالَّذِيْ فَطَرَنَا۔ فَاقْضِ مَآ اَنْتَ قَاضٍ اِنَّمَا تَقْضِيْ هٰذِهِ الْحَيٰوةَ الدُّنْيَا۔

" (جادوگروں نے) کہا: ہم تمہیں ہرگز ان واضح دلائل پر ترجیح نہیں دیں گے جو ہمارے پاس آچکے ہیں، اس (رب) کی قسم جس نے ہمیں پیدا فرمایا ہے۔ تو جو حکم کرنے والا ہے کر لے، تُو فقط (اس چند روزہ) دنیوی زندگی ہی سے متعلق فیصلہ کر سکتا ہے۔" (طٰہٰ، ۲۰: ۷۲)

چند لمحوں میں سیرت اور کردار میں اتنی بڑی تبدیلی کیسے آئی۔۔۔؟ صرف ایمان کی بدولت!

ایمان بحیثیت اساسِ اخلاق

نفسِ انسانی کی گہرائیوں میں ایک مخفی قوت موجود ہوتی ہے جسے نہ خوردبین سے دیکھا جا سکتا ہے اور نہ ہی علم الطبیعیات اُس کا ادراک کر سکتا ہے۔ اس کا کام فرائض و واجبات کی طرف انسان کی رہنمائی کرنا ہے اور خیر و فلاح کی طرف اُسے مائل رکھنا ہے، جیسے مقناطیس (Magnet) قطب نما (Compass) کی سوئی کو کھینچے رکھتا ہے۔ نیز یہ قوت اُسے شر و فساد سے بچاتی ہے جیسے باپ بیٹے کو یا اُستاد اپنے شاگرد کو غلط حرکات سے بچاتا ہے۔ یہ باطنی قوت جو تاریکی میں روشنی کا کام دیتی ہے، فضائل پر آمادہ کرتی اور رذائل سے باز رکھتی ہے، معروف کا حکم دیتی اور منکر سے منع کرتی ہے، علم الاخلاق کے ماہرین اسے ضمیر اور وجدان سے تعبیر کرتے ہیں اور اسلام نے اسی کا نام "القلب" (دل) رکھا ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ سے جب ایک شخص نے نیکی اور گناہ کے متعلق دریافت کیا تو آپ ﷺ نے فرمایا:

استفت قلبك واستفت نفسك۔ البر ما اطمأنت إليه النفس واطمأن إليه القلب والإثم ما حاك في النفس وتردد في الصدر وإن أفتاك الناس وأفتوك ثلاثا۔ (مسند أبي يعلى، ۳: ۱۶۱)

"اپنے دل اور اپنے نفس سے پوچھ۔ نیکی وہ ہے جس پر تیرا دل اور نفس مطمئن ہوں اور گناہ وہ ہے جو تیرے نفس میں کھٹکے اور دل میں شبہ پیدا کرے، اگرچہ تو لوگوں سے فتویٰ لے چکا ہو اور وہ تین مرتبہ تجھے فتویٰ دے چکے ہوں۔"

چنانچہ قلب یا ضمیر اخلاق کا بنیادی ستون ہے۔ اس کے بغیر اخلاق کی عظیم الشان عمارت تعمیر ہو سکتی ہے اور نہ قائم رہ سکتی ہے۔ زندہ ضمیر اخلاق کی تعمیر و تشکیل کا باعث بھی ہوتا ہے اور ایک مستعد دربان کی طرح اُس کی حفاظت بھی کرتا ہے۔

کوئی معاشرہ محض قوانین اور آئینی ضوابط کے بل بوتے پر یا پولیس اور فوج کی قوت و طاقت کے ذریعے تنظیم و ترقی اور سعادت و خوش بختی کی منزل سے ہمکنار نہیں ہو سکتا۔ اس میں کوئی شک نہیں کہ قانون ایک طاقت ہے اور اجتماعی زندگی کا نظام چلانے کے لیے ناگزیر ہے۔ لیکن انسانی زندگی پر

پوری طرح یہ اس لیے حاوی نہیں کہ اس کا تعلق صرف ظاہر سے ہوتا ہے، باطن سے نہیں۔ نیز یہ اُمورِ عامہ سے بحث کرتا ہے اور خاص حالات کا اس میں لحاظ نہیں رکھا جاتا۔ پھر قانون میں یہ سقم بھی ہے کہ وہ مجرم کو سزا دیتا ہے مگر محسن اور نیکوکار کے صلہ کا کوئی اہتمام نہیں کرتا۔ علاوہ ازیں قانون کی گرفت سے لوگ حیلے بہانے کے ذریعے بچ جاتے ہیں اور قانون میں یہ صلاحیت نہیں ہوتی کہ وہ مجرمانہ ذہنیت کا کماحقہ تعاقب کر سکے۔

یہی حال فلسفۂ اخلاق کا ہے۔ کوئی اخلاقی فلسفہ خواہ اُسے کتنے ہی عمدہ پیرائے میں بیان کیا گیا ہو، کسی معاشرے کے چند افراد کو تو اپنی طرف مائل کر سکتا ہے لیکن پورے معاشرے کی توجہ اپنی طرف مبذول نہیں کر سکتا۔ وجہ یہ ہے کہ ہر فلسفی کا اپنا فلسفہ اخلاق ہوتا ہے اور ظاہر ہے اُس میں انسانی سطح پر جو فکری لغزشیں پائی جاتی سکتی ہیں، اُن کا پورا امکان موجود ہوتا ہے۔

چنانچہ معاشرے کی تہذیب واصلاح اور تعمیر وترقی کے لیے بیدار ضمیر اور زندہ قلوب کا وجود بہت ضروری ہے۔ اب سوال یہ ہے کہ جب اخلاق کی نشو ونما اور ارتقاء میں ضمیر کا اس حد تک عمل دخل ہے تو خود ضمیر کی تخلیق کا راز کس چیز میں مضمر ہے؟

ضمیر کی تخلیق وتعمیر میں ایمان کا کردار

ضمیر کی تعمیر و تخلیق میں ایمان بنیادی کردار ادا کرتا ہے۔ اسے زندگی عطا کرنے، اس کی آواز کو زیادہ مؤثر بنانے اور ہر قدم پر اس کی محرک اور فعال حیثیت برقرار رکھنے کے لیے ایمان ناگزیر ہے۔ اللہ پر ایمان انسان کے اندر یہ اعتقاد راسخ کر دیتا ہے کہ وہ جہاں بھی ہو اللہ اُس کے ساتھ ہوتا ہے اور سفر وحضر اور خلوت وجلوت میں اللہ سے اُس کی کوئی کیفیت چھپی نہیں رہ سکتی۔ اُس کے پوشیدہ اعمال اور ظاہری حرکات وسکنات ہر ایک سے اللہ پوری طرح باخبر ہے۔

ایمان باللہ کے بعد انسانی ضمیر کو جو چیز مزید سنوار اور نکھار دیتی ہے وہ یومِ آخرت پر ایمان ہے۔ یومِ آخرت پر ایمان دراصل اس حقیقت کا شعور ہے کہ مرنے کے بعد انسان کو اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں اپنے تمام اعمال کا حساب دینا ہے، ہر اچھے عمل کی جزا ملے گی اور ہر بُرائی کا خمیازہ بُھگتنا ہوگا۔ اُس وقت اُس کی زندگی کے ہر لمحہ کی تفصیل اُس کے سامنے رکھ دی جائے گی۔

حیاتِ انسانی کا یہ سارا ریکارڈ جسے اللہ تعالیٰ کے فرشتوں نے پوری جزئیات اور تفصیلات کے ساتھ مرتب کیا ہوگا اور جس کے مطابق اُس سے مواخذہ ومحاسبہ کیا جائے گا، ایک ایسی ناقابلِ تردید دستاویز ہو گی جسے جھٹلایا نہیں جا سکے گا، یہ احساس قلب کی زندگی کا ضامن اور ضمیر کی بیداری کا باعث ہوتا ہے۔

اللہ کے بارے میں یہ اعتقاد اور یومِ آخرت پر اس نوعیت کا ایمان ہی انسان کو ہر آن اللہ کی نگرانی کا احساس دلاتا ہے اور اپنے نفس کے محاسبہ پر مجبور کرتا ہے۔ چنانچہ وہ کھلی آنکھوں سے اپنے اعمال وافعال کا جائزہ لیتا ہے، نتائج وعواقب پر نظر رکھتا ہے، ظلم وستم اور خیانت وبدعہدی جیسے اعمال سے پرہیز کرتا ہے، اپنے فرائض کو خوش اُسلوبی سے بجالاتا ہے اور دوسروں کے حقوق خوش دلی سے ادا کرتا ہے۔ وہ کوئی ایسا کام نہیں کرتا جس کے محاسبے کا خوف ہو اور نہ ہی چھپ کر کوئی ایسی حرکت کرتا ہے کہ جس کے نتیجے میں اُسے ندامت لاحق ہو سکتی ہو۔ خدا کے حاضر وناظر ہونے کا کامل یقین اُسے راہِ راست سے ہٹنے اور اخلاقی انحطاط کا شکار ہونے سے بچاتا ہے اور اگر کبھی وقتی جذبات سے مغلوب ہو کر یا بے دھیانی ولاعلمی میں کوئی غلطی سرزد ہو جائے تو احساس ہونے پر توبہ واستغفار اور دیگر ذرائع سے اُس کا مداوا کرتے ہوئے دوبارہ راست روی پر گامزن ہو جاتا ہے۔

ضمیر بلا ایمان کی حقیقت

جو لوگ ایمان کی نفی کر کے فلسفہ اخلاق کی عمارت کو کھڑا کرنا چاہتے ہیں، اُن کا مؤقف یہ ہے کہ تربیت اخلاق کے لیے ضمیر اپنی مجرد حیثیت میں بالکل کافی ہے اور اس مقصد کے لیے دین وایمان کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ بالفاظِ دیگر اُن کے خیال میں اخلاقی تصورات انسانی ضمیر میں فطری طور پر موجود ہوتے ہیں اور انسان ایمان کی غیر موجودگی میں بھی اخلاقِ حسنہ پر کاربند رہ سکتا ہے۔

اس دعوٰی میں جزوی صداقت موجود ہے۔ قرآنِ مجید کے بقول انسانی فطرت میں نیکی وبدی اور خیر وشر میں امتیاز کی صلاحیت فطری اور جبلی طور پر رکھ دی گئی ہے۔ ارشاد فرمایا:

فَاَلْهَمَهَا فُجُوْرَهَا وَتَقْوٰهَا۔ (الشمس، ۹۱:۸)

”پھر اس نے اسے اس کی بدکاری اور پرہیزگاری (کی تمیز) سمجھا دی۔“

یہی وجہ ہے کہ بعض اوقات ایمان سے محروم لوگوں کے ہاں بھی اخلاقِ حسنہ کے کچھ مظاہر دیکھنے میں آتے ہیں۔ تاہم یہ چند ایک مستثنیات ہیں جو بڑی قلیل تعداد میں اور وہ بھی محدود دائرے میں ہیں۔ عمومی اور اُصولی قاعدہ یہی ہے کہ رہنمائی کے قابل ضمیر صرف وہی ہوتا ہے جس نے ایمان کی روشنی سے جلا پائی ہو، جسے تعلیماتِ دین نے مسائلِ حیات کا مکمل شعور بخشا ہو، جو حلال وحرام سے پوری طرح باخبر ہو اور خطاء وصواب میں امتیاز کر سکتا ہو۔ جس کی آواز ہر حال میں صداقت پر مبنی ہو اور جو ہر قیمت پر اُصولوں کی پاسبانی کرتا ہو۔ یہ سارے اوصاف اُسی ضمیر کے ہیں جو نورِ ایمان سے منور ہو۔

جہاں تک نورِ ایمان سے محروم ضمیر کا تعلق ہے تو اس حوالے سے تاریخ کی یہ واضح شہادت موجود

ہے کہ ہر دور میں دنیا کے مختلف ممالک میں رہنے والے لوگ ضمیر کی آواز کو سنتے رہے ہیں مگر اُن کے قلوب وضمائر کبھی ہم آہنگ نہیں پائے گئے حالانکہ محاسنِ اخلاق کی عمارت تو اُن عالمگیر سچائیوں پر قائم ہونی چاہئے جو زمان ومکاں کے تغیر و تبدل سے ماوراء ہوں مگر یہاں ایسا نہیں ہے۔ کبھی ایسا ہوتا ہے کہ ایک زمانہ کے لوگ ایک چیز کو عین عدل اور سراپا خیر سمجھتے ہیں مگر بعد کے کسی دور میں اُسی چیز کو عدل کے منافی اور خیر سے محروم قرار دے دیا جاتا ہے۔

اسلام کا سورج طلوع ہونے سے پہلے اہلِ عرب کا رہن سہن، پسند و ناپسند اور صحیح و غلط کا معیار کچھ اور تھا۔ وہ شراب و قمار کے دلدادہ تھے، حرام خوری اور حرام کاری سے اُن کی طبیعت میں کراہت محسوس نہیں ہوتی تھی۔ اپنی معصوم بچیوں کو زندہ درگور کر دینا بھی اُن کے نزدیک کوئی بُرا کام نہیں تھا، عورتوں پر ظلم و ستم کرنا، یتیموں کا مال کھانا اور معمولی سی بات پر قتل و غارت گری پر اُتر آنا، اُن کے روزمرہ کے مشاغل تھے۔ ان تمام اعمالِ قبیحہ کا ارتکاب دن رات کرنے کے باوجود اُن کا ضمیر کبھی ملامت نہ کرتا تھا۔ مگر یہی لوگ جب اسلام کے دامن سے وابستہ ہوگئے اور دینِ فطرت کی تعلیمات کو جذب کرنے لگے تو اُن کی زندگیوں کا رنگ ہی بدل گیا۔ اُن کے جائز ناجائز اور خیر و شر کے پیمانے پہلے سے بالکل مختلف ہوگئے اور اب اُن کے ضمیر کی آواز بھی وہ نہیں تھی جسے وہ پہلے کبھی سنا کرتے تھے۔

> نفسِ انسانی کی گہرائی میں
> موجود قوت کو خوردبین سے
> دیکھا جا سکتا نہ اس کا احاطہ
> علم الطبیعات سے ممکن

صدائے ضمیر کا یہ اختلاف اس حقیقت کے اثبات کے لیے کافی ہے کہ ضمیر اپنی مطلق حیثیت میں فضائلِ اخلاق اور اعمالِ حسنہ کی بنیاد نہیں بن سکتا۔ بلاشبہ ضمیر ایک فطری قوت ہے اور ایک ملکہ تمیز سے عبارت ہے مگر اس ملکہ کو معصوم قرار نہیں دیا جا سکتا۔ لہٰذا ضروری ہے کہ ضمیرِ انسانی کو کسی ٹھوس اور پائیدار حقیقت سے مربوط اور منسلک کر دیا جائے۔ ایسی حقیقت جو معصوم ہو اور ہر شائبہ عیب و خطا سے پاک ہو۔ وہ حقیقت صرف دین و ایمان ہی ہو سکتی ہے جس کا منبع و سرچشمہ عقلِ انسانی نہیں بلکہ الہامی ہدایت ہے۔ نتیجہ یہ نکلا کہ دین و ایمان کے بغیر ضمیر ایک بے معنی چیز ہے۔

ایمان کی حقیقت

ایمان سے مراد محض لسانی، ظاہری، رسمی، رواجی اور موروثی ایمان نہیں ہے جو ایک شخص کو محض مسلمانوں کے گھر میں پیدا ہونے پر مل جاتا ہے اور اُسے قلب و باطن میں اُتارنے اور مضبوط و مستحکم بنانے میں اُس نے کوئی کوشش نہیں کی ہوتی بلکہ اس سے مراد وہ زندہ، بیدار اور شعوری ایمان ہے جو ظاہر سے گزر کر باطن میں گھر کر چکا ہو اور لسانی اقدار سے آگے بڑھ کر قلبی تصدیق کے درجے کو پہنچ چکا ہو جیسا کہ ایمان مجمل کی تعریف میں اقدارِ لسانی کے ساتھ تصدیق قلبی کو بھی شامل کیا گیا ہے:

اقرار باللسان و تصدیق بالقلب۔

(عسقلانی، ، فتح الباری، قولہ باب من جاھد نفسہ فی طاعۃ اللہ عزوجل، ۱۱: ۳۳۹، رقم: ۶۱۳۵)

چنانچہ حقیقی ایمان وہی ہے جو انسان کے رگ و ریشے میں اس طرح رچ بس جائے کہ اُٹھتے بیٹھتے زبان سے اُسی کا اظہار ہو اور ایسی تصدیق کہ اُس کے متعلق دل میں شک و تردد کا کوئی شائبہ بھی باقی نہ رہے۔ یہی اقدار و تصدیق انسان کے افکار و نظریات کی صورت گری کرے، اسی کے سانچے میں اُس کے جملہ اعمال و افعال ڈھل جائیں اور زندگی کی تمام سرگرمیوں میں ایمانی نظریات کا رنگ جھلکتا ہوا دکھائی دے۔

ایمان کس طرح عمل کو مستلزم ہے اس کا اندازہ ذیل کی حدیث سے لگایا جاسکتا ہے:

الإیمان بضع و ستون شعبۃ و الحیاء شعبۃ من الإیمان۔

(بخاری، کتاب الایمان، باب أمور الإیمان و قول اللہ تعالی لیس البر أن تولوا وجوھکم۔۔۔، ۱: ۱۲، رقم: ۹)

”ایمان کے ستر سے زائد شعبے ہیں اور حیاء بھی ایمان کا حصہ ہے۔“

اسی طرح ایک اور حدیث میں ارشاد فرمایا:

من احب للہ و ابغض للہ و اعطی للہ و منع للہ فقد استکمل الایمان۔

(سنن ابی ابو داود، ۴: ۲۲۰، رقم: ۴۶۸۱)

”جس نے اللہ کی خاطر ہی کسی سے محبت کی اور اللہ کی خاطر ہی کسی سے نفرت کی اور اللہ کی خاطر ہی کسی کو دیا اور اللہ کی خاطر ہی کسی کو نہ دیا تو اُس نے اپنا ایمان مکمل کر لیا۔“

مندرجہ بالا احادیث مبارکہ سے واضح ہوتا ہے کہ حقیقی ایمان پوری زندگی پر اپنے نقوش مرتب کرتا ہے اور اُسے اللہ کے رنگ (صبغۃ اللہ) میں رنگ دیتا ہے۔ انسان کے افکار و نظریات، اُس کے جذبات و اطوار، حرکات و سکنات اور اعمال و افعال سب کے سب اطاعتِ الٰہی اور اللہ کی بندگی کا نقشہ

پیش کرتے ہیں۔ زندگی کا کوئی پہلو ایسا نہیں ہوتا جو دائرہ ایمان سے باہر ہو۔ یہی وہ ایمان ہے جو انسان کو اخلاق کے اعلیٰ مراتب تک پہنچاتا ہے۔ اُس کی سیرت و کردار کی اصلاح کرتا ہے اور اُس کی تعمیر و ترقی میں اہم کردار ادا کرنے کے ساتھ ساتھ معاشرے کے لیے اُسے مفید اور کارآمد بناتا ہے۔

گویا ہم یہ کہہ سکتے ہیں کہ ایمان نہ تو محض زبانی دعوٰی کا نام ہے اور نہ ہی ذہنی طور پر بعض حقائق کی معرفت کو حاصل کر لینے کا نام ہے بلکہ یہ تو درحقیقت ایک ایسا اخلاقی اور روحانی عمل ہے جو دل و دماغ کی گہرائیوں تک اپنا اثر و نفوذ رکھتا ہے اور انسان کے ارادہ و اختیار عقل و شعور اور وجدان الغرض ہر چیز کو اپنی گرفت میں لے لیتا ہے اور وحی والہام کی مدد سے انسان پر حقائق کا انکشاف کرتا ہے۔ یہ انکشاف محض علم کی حد تک نہیں رہتا بلکہ ایسے محکم یقین میں تبدیل ہو جاتا ہے جہاں ریب و تشکیک کا کوئی حملہ بھی اُسے متزلزل نہیں کر سکتا۔ ارشاد فرمایا:

اِنَّمَا الْمُؤْمِنُوْنَ الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا بِاللّٰهِ وَرَسُوْلِهٖ ثُمَّ لَمْ يَرْتَابُوْا وَجٰهَدُوْا بِاَمْوَالِهِمْ وَاَنْفُسِهِمْ فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ اُولٰٓئِكَ هُمُ الصّٰدِقُوْنَ۔

”ایمان والے تو صرف وہ لوگ ہیں جو اللہ اور اس کے رسول (ﷺ) پر ایمان لائے، پھر شک میں نہ پڑے اور اللہ کی راہ میں اپنے اموال اور اپنی جانوں سے جہاد کرتے رہے، یہی وہ لوگ ہیں جو (دعوائے ایمان میں) سچّی ہیں۔“ (الحجرات، ۴۹: ۱۵)

یہ یقینی علم جو کسی انسان کو ایمان کی بدولت نصیب ہوتا ہے اُس کے دل کو ذاتِ حق کے تابع کر دیتا ہے۔ اُس کے ارادہ و اختیار کو سمع و طاعت سکھاتا ہے اور اُس کے تکبر و غرور کو خشوع و خضوع میں بدل دیتا ہے اور بالآخر گوشت پوست کا یہ مجسمہ تسلیم و رضا کا پیکر بن جاتا ہے۔ اس کے بعد معرفتِ حق انسان کے اندر حرارتِ عمل پیدا کرتی ہے اور عقیدہ و ایمان کے مقتضیات کی تکمیل کے لیے اُسے سرگرم بنا دیتی ہے۔

ایمان اور عصرِ حاضر کے مسائل

دین و ایمان سے محروم لوگ، نام نہاد قسم کے دانشوار اور جدید سیکولر ذہن کے حاملین یہ اعتراض کرتے ہیں کہ مذہب کی تعلیمات صدیوں پرانی ہیں جو جدید دور کے مسائل کو حل نہیں کر سکتیں۔ زندگی اور اُس کے مسائل بہت آگے بڑھ چکے ہیں اور ایمان کے پاس اُن کا شافی حل نہیں ہے۔ یہ بھی ایک بہت بڑا مغالطہ ہے جس میں کوئی حقیقت نہیں ہے۔ اس لیے کہ مسائل بھی وہی ہیں جو ہزاروں سال پہلے تھے اور اُن کے حل کے لیے نسخہ بھی وہی کارآمد ہے جو صدیوں کا آزمودہ ہے۔ بقول علامہ اقبالؒ

زمانہ ایک حیات ایک کائنات بھی ایک
دلیل کم نظری ہے مقصد جدید و قدیم

زندگی کے مسائل جو آج سے صدیوں پہلے تھے، وہی آج بھی فکرِ انسانی پر تسلط جمائے ہوئے ہیں۔ فرق صرف یہ ہے کہ آج یہ مسائل نئے رنگ میں سامنے آئے ہیں نیز اُن کی شدت میں اضافہ ہو گیا ہے۔ آج سے ہزاروں سال پہلے بھی انسان کو امن کی ضرورت تھی اور آج بھی انسان اس کا شدت سے ضرورت مند ہے۔۔۔ آفاتِ ارضی و سماوی، دکھ، تکلیف اور بیماریاں پہلے بھی انسانوں کو لاحق تھیں اور آج بھی ہیں۔۔۔ انسان ایک دوسرے کے حقوق پر پہلے بھی ڈاکہ ڈالتا تھا اور آج اس تہذیب و تمدن کے روشن دور میں بھی ڈاکہ زنی عام ہے۔۔۔ جھوٹ، مکر و فریب، وعدہ خلافی و بد عہدی جیسے اوصافِ رذیلہ اُس زمانے میں بھی انسان کے لیے مُضر تھے جب وہ اُونٹوں اور گدھوں پر سواری کرتا تھا اور آج بھی جب کہ وہ کاروں اور جیٹ طیاروں میں سفر کرتا ہے۔۔۔ ظلم و ستم، انسانوں کا انسانوں کے ہاتھوں استحصال پتھر کے زمانے میں بھی ہوتا تھا اور آج ایٹم بم کے دور میں بھی حق تلفی اور استبداد کا یہ سلسلہ جاری ہے۔۔۔ خدا کے خوف سے عاری اور انبیاء و رسل علیہم السلام کی تعلیمات سے انحراف کرنے والے لوگوں کی پہلے بھی کمی نہ تھی اور آج بھی کمی نہیں ہے۔۔۔ مرد و عورت اور فرد و معاشرہ کے مابین تعلقات میں عالمِ انسانی افراط و تفریط کا شکار پہلے بھی رہا ہے اور آج بھی ہے۔

معاشرے کی تہذیب واصلاح اور ترقی کیلئے بیدار ضمیر اور زندہ قلوب کا وجود ضروری ہے

پس جب زندگی کے مسائل اپنی حقیقت کے اعتبار سے وہی پرانے ہیں تو اُن کے حل کیلئے نسخہ کیمیا بھی وہی کارآمد ہو سکتا ہے جس نے چودہ صدیاں پہلے عرب کے بگڑتے لوگوں کی کایا پلٹ کر رکھ دی تھی اور اخلاقی انحطاط کی پستیوں میں گرے ہوئے معاشرہ کو اخلاقی کمال کے اُس مقام پر پہنچا دیا تھا کہ وہ معاشرہ امامتِ عالم کی قیادت کے منصب پر فائز ہو گیا۔

اقوام کے عروج وزوال میں اخلاقیات کا کردار

ڈاکٹر نعیم انور نعمانی

کسی بھی انسانی معاشرے میں تمام افراد یکساں نہیں ہوتے۔ فرشتہ صفت انسان بھی ہیں اور شیطان اور حیوان نما انسان بھی معاشرے کا حصہ ہوتے ہیں۔۔۔ قابلِ فخر انسان بھی ہیں اور باعثِ ندامت انسان بھی ہیں۔۔۔ خود غرض بھی ہیں اور جانثار بھی ہیں۔۔۔ اپنے وجود میں کل عالمِ انسانیت کے لیے قابلِ فخر بھی ہیں اور ساری انسانیت کی تذلیل کا عنوان رکھنے والے بھی ہیں۔۔۔ الغرض اس دنیا میں نور بھی ہے اور ظلمت بھی ہے۔ اسی طرح یہ سارا عالم، عالمِ انسداد بھی ہے۔ ہر اچھائی کے مقابل برائی بھی ہے اور ہر برائی کے مقابل اچھائی بھی ہے۔ انسان ہمیشہ سے اس تغیر پذیر معاشرے کا حصہ ہے۔

ایک منظم اور مہذب معاشرہ اپنے اجتماعی وجود میں یقین، اعلیٰ اصول اور بہترین اخلاق، اجتماعی فرض کا احساس اور ایک دوسرے کے لیے ایثار و قربانی کا جذبہ اپنے اندر سموئے ہوئے ہوتا ہے۔ اس کے برعکس اگر معاشرے میں اخلاقی گراوٹ آجائے، ہر شعبۂ حیات میں بے اصولی عام ہو جائے اور خود غرضی ہر جگہ اپنے ڈیرے ڈال لے، طاقت اور دولت سے مرعوبیت ایک معاشرتی حقیقت بن جائے اور معاشرے میں بزدلی اور ظلم کا چلن عام ہو جائے تو قومی زندگی کے شجر سایہ دار کو گھن لگ جاتا ہے اور پھر نئے نئے حکمرانوں اور حکومتوں کا آنا بھی قوم کی تقدیر نہیں بدل سکتا۔

اخلاقی گراوٹ کے شکار معاشرے میں اگرچہ تعلیم اور دیگر شعبہ جات میں ترقی پہلے سے بھی زیادہ ہو اور قوم کی ظاہری دھوم دھام بھی اپنی جوبن پر دکھائی دے رہی ہو مگر اس سب کے باوجود اس قوم کو تباہی و بربادی سے کوئی نہیں بچا سکتا۔ اس لیے کہ جب اقدار، اخلاق اور تہذیب کے درخت کی جڑیں سوکھ جائیں اور وہ اندر سے کھوکھلا ہو جائے تو محض پانی ڈالنے سے اسے سرسبز و شاداب نہیں کیا جاسکتا۔ باطن اور اندرون کی تباہی کے سبب ظاہر کی چمک دمک کو زیادہ دیر تک قائم نہیں رکھا جاسکتا۔ دنیا کی تاریخ میں اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ چند مثالیں ملاحظہ ہوں:

۱۔ ایک وقت تھا دنیا میں روم کی سلطنت کا ڈنکا بجتا تھا۔ اس سلطنت اور تہذیب نے بڑے بڑے منتظم، قانونی دماغ اور اعلیٰ فوجی سپہ سالار پیدا کیے مگر اسی رومی سوسائٹی کو جب بداخلاقی اور عیش پرستی کا روگ لگ گیا اور اس کی تہذیب پر ظلم، ناانصافی اور ناجائز طرفداری و جانبداری نے اپنا تسلط جمالیا تو اس کی قسمت کا ستارہ گردش میں آگیا۔ دنیا کی اس غالب اور حاکم تہذیب کو اندر اور باہر کے دشمنوں نے دبوچ لیا اور وہ روم جس کی ساری دنیا میں دھاک بیٹھی ہوئی تھی، وہ یورپ کی نیم وحشی قوم کے حملوں سے تنگ آگیا۔ چھٹی صدی ہجری میں ایرانیوں نے اس کے مشرقی حصے پر حملہ کرکے اس کی سطوت کو خاک میں ملادیا۔ نوے ہزار آدمیوں کو قتل کیا گیا اور اس کی تمام نوآبادیوں اور اس کے زیر تسلط علاقوں پر قبضہ کرلیا گیا اور اس کے پائے تخت قسطنطنیہ کو بھی اپنے زیر نگیں کرلیا۔

روم کی سلطنت نے بڑے بڑے قانونی دماغ اور اعلیٰ فوجی سالار پیدا کیے

اس کے چند برسوں کے بعد جب رومیوں کو پھر سے سنبھلنے کا موقع ملا تو وہ اسلامی سلطنت کے زیرِ تحت آگئے۔ روم کی سوسائٹی کی اخلاقی حالت اتنی کمزور اور کھوکھلی ہوچکی تھی کہ ہرقل جیسا لائق جنرل بھی اس گرتی ہوئی رومی سوسائٹی کو تھام نہ سکا۔ یہ وہی ہرقل تھا جس نے اپنی تنظیمی قابلیت اور فوجی لیاقت سے ایران کے قلب میں اپنا رومی جھنڈا لہرایا تھا اور کسریٰ ایران کی حکومت کو الٹ پلٹ کرکے رکھ دیا تھا مگر ہرقل جب اسلامی فوج کے سامنے آیا تو ان کے دینی جوش اور شوقِ شہادت اور ان کے اخلاق کی طاقت کا مقابلہ نہ کرسکا، نتیجتاً وہ میدان جنگ میں شکست سے دوچار ہوا اور اسے اپنا ملک ان کے حوالے کرنا پڑا۔

۲۔ ایران میں کسریٰ کی حکومت، اس کی فوجی طاقت اور قومی دولت کا بھی کوئی ثانی نہ تھا۔ لیکن اسی قوت، طاقت اور دولت کے نشے نے ان میں اخلاقی برائیوں کو پروان چڑھا دیا تھا اور برسوں تک ان کے قومی جسد کو بد اخلاقی اور بے اصولی کا کیڑا کھاتا رہا۔ ان کی اخلاقی پستی، اقدار کی تنزلی، اصولوں سے بے اصولی اور قومی بے حمیتی کی وجہ سے ان کا مستقل مزاج بادشاہ اور رستم جیسا تجربہ کار فوجی جنرل بھی اس ملک کی عظیم سطوت اور شوکت کو نہ بچا سکا۔ اسلام کے عظیم مجاہدوں نے مشرق اور مغرب کے ان شہنشاہوں کو اور ان کی سلطنت کو اپنے زیر انتظام کر لیا۔

۳۔ اسی طرح خود اسلامی سلطنت بغداد کی عباسی خلافت کا دنیا میں طوطی بولتا تھا۔ خوارزم شاہ کی سلطنت اپنے زمانہ میں روئے زمین کی سب سے بڑی سلطنت تھی لیکن مسلمانوں کی سوسائٹی روح سے خالی اور اخلاقی کمزوریوں سے داغدار ہو چکی تھی۔ نتیجہ یہ ہوا کہ تاتاریوں کا سیلاب آیا اور سیکڑوں برس کا تمدن اور علم و تہذیب کا ذخیرہ ان وحشی حملوں کے ذریعے خاک میں مل گیا۔ اگر کچھ عرصہ کے بعد اسلام نے تاتاریوں پر اخلاقی فتح حاصل نہ کر لی ہوتی اور ان تاتاریوں کے دلوں کو اپنے ایمانی افکار اور اپنی روحانی اقدار کے ذریعے بدل نہ دیا ہوتا تو پھر مسلم سوسائٹی کو اپنا وجود باقی رکھنا بڑا مشکل ہو جاتا۔

۴۔ اسی طرح ہم تاریخ کے اوراق الٹ پلٹتے جائیں تو تاریخ انسانی سے عبر و نصائح کا ایک انبار ہمارے سامنے عیاں ہو جاتا ہے۔ ہمارے سامنے تاریخ انسانی میں پہلی اور دوسری عالمی جنگ کے مناظر آجاتے ہیں۔ فرانس دنیا کی سپر پاور ہو کر اخلاقی کمزوریوں کا شکار ہو جاتا ہے اور تعیش پسندی اس قوم کی شناخت بن جاتی ہے جس کی وجہ سے اسے نقصان اٹھانا پڑتا ہے۔ اگر اتحادی فرانس کو سہارا نہ دیتے تو یہ ناقابل تلافی نقصان اٹھاتا۔ اس اخلاقی پستی اور تہذیبی تباہی کے دور سے قبل اس فرانسیسی قوم نے اپنی ذہانت اور اپنی بہادری کا سکہ ساری دنیا سے منوایا تھا۔ نپولین جیسا جنرل اور اسی طرح کے دلیر اور نڈر لیڈر اس قوم نے پیدا کیے مگر جب اقوام اپنی اعلیٰ روایات کو چھوڑ کر مادہ پرستی میں مبتلا ہو کر زوال کا شکار ہوتی ہیں تو یہ اپنی روشن تاریخ کو بھی داغدار کر دیتی ہیں۔

۵۔ اگر ہم ہندوستانی معاشرے پر نظر ڈالیں تو اس معاشرے نے فلسفہ و حکمت، ادب و شاعری اور کئی میادین میں اپنا ایک نام پیدا کیا تھا۔ پانچویں صدی ہجری میں اس نے اپنی اخلاقی تعلیم کو اپنی پہلوی زبان میں ڈھالا اور چین کے باشندوں نے بھی اپنی دانائی اور علم کے باوجود ہندوستانی علم و حکمت کے خزانوں سے فائدہ اٹھایا مگر دسویں صدی میں جب ہندوستانی معاشرے پر خود غرضی اور ذاتی عداوت کے نظریات نے اپنے سائے دراز کر دیئے، قوم کی اخلاقی اقدار زوال کا شکار ہوئیں، شرک اپنی انتہا کو چھونے لگا، دولت نے ہندوستانی ذہنوں میں ایک معبود کی صورت اپنالی، لٹریچر، مذہب، صنعت،

مصوری، ثقافتی اور عبادت گاہوں میں شہوانیت، نفسانیت اور عریانیت سرایت کر گئی تو یہ معاشرہ بھی اخلاقی زوال کا شکار ہو گیا۔

اس معاشرے کی اس اخلاقی پستی کے عالم میں وسط ایشیا سے ایک تازہ قوم آئی جس کی اخلاقی حالت یہاں کے باشندوں کے مقابل زیادہ مضبوط تھی۔ یہ اسلام کے ماننے والے تھے، انہوں نے اپنی ایمانی قوت، اخلاقی جرأت اور کردار کی طاقت سے ہندوستانی معاشرے کو مسخر کر لیا اور یہاں کی سماجی زندگی کو اپنے اخلاق و کردار اور اپنی اعلیٰ انسانی اقدار سے خوب متاثر کیا۔ انہوں نے یہاں کی تہذیب کو اپنی تہذیب کے رنگ میں رنگ دیا۔ یہاں کی تہذیب کی رگوں کو اسلامی تہذیب کا خون پہنچایا۔ مساواتِ انسانی کو عام کیا، انسان دوستی کو فروغ دیا، روحانی اور مادی اقدار میں اعتدال و توازن پیدا کیا، توحید خالص کے نور کو ہر ہر ذہن و دل میں پہنچایا اور نبوت و رسالت کی شمع کو فروزاں کیا۔ یہاں کی تاریخ میں ادب، سچائی، دیانتداری، اخلاقی بہادری اور زہد و پاکیزگی کے روشن چراغ جلائے اور اقدار کے ایسے عملی نمونے فراہم کیے کہ انسانی تاریخ ان کی مثال پیش کرنے سے قاصر نظر آتی ہے۔

۶۔ رفتہ رفتہ ہندوستانی معاشرہ بھی مختلف قسم کی اخلاقی اور روحانی بیماریوں میں مبتلا ہوا اور بے اصولی کی زندگی ترجیح پانے لگی۔ عیش پسندی اور خود غرضی کو اختیار کیا جانے لگا اور وہ مسلمان جو ہندوستانی سوسائٹی کو سنبھالنے والے تھے، اب وہ خود زوال اور پستی کا شکار ہونے لگے۔ اخلاقی اور سماجی برائیوں نے ان کو اپنا نشانہ بنایا، خانہ جنگی کا ماحول ہر طرف نظر آنے لگا، ناجائز طرفداری، بے جا پاسداری، بے وفائی اور وعدہ خلافی کی بری اطوار نے ان کو جکڑ لیا۔ نتیجتاً ملک کا نظام درہم برہم ہو گیا۔ شہروں میں بے چینی و افراتفری پیدا ہو گئی، راستوں کا امن اور سلامتی چھن گئی۔ حتیٰ کہ ہر طرف خلفشار اور انتشار کا ماحول پیدا ہو گیا۔ جب یہاں کے لوگ حکومت کرنے کی اپنی لیاقت کھو بیٹھے تو سات سمندر پار لوگوں نے اس ملک ہندوستان کی بھاگ دوڑ سنبھال لی۔ اس فرنگی قوم نے اپنی انتظامی قابلیت سے ملک کے نظام کو احسن طور پر سنبھالا اور ہر شعبہ زندگی میں قابلِ قدر اصلاحات کیں۔

اس نئے نظام نے ہندوستانی سوسائٹی کو جہاں مادی طور پر فائدہ پہنچایا، وہاں اس سوسائٹی کی مسلّمہ اقدار کو کسی حد تک نقصان بھی پہنچایا۔ جو برائیاں یہاں کبھی دیکھنے کو نہ ملتی تھیں وہ قدم قدم پر نظر آنے لگیں۔ اہل فرنگ نے رومی سلطنت سے وراثتاً یہ اصول پایا تھا کہ پھوٹ ڈالو اور حکومت کرو۔ اسی اصول کے تحت انہوں نے ہندوستان پر ایک سو سال تک مطلق العنان حیثیت سے حکومت قائم کی۔ فرنگی سلطنت نے ہندوستانی سرزمین پر اچھائیوں کے ساتھ جن برائیوں کو پروان چڑھایا ان میں قومی رقابت اور مخاصمت کا جذبہ بڑی قوت سے ابھرا۔ دفتری کاٹ پھانس کا نظام آیا، اپنے معمولی فائدے کو

دوسروں کے بڑے نقصان پر ترجیح دینے کا کلچر آیا۔ اندرونی سازشیں ہر جگہ بپا ہوتی ہوئی دکھائی دیں۔ مذہب اور اخلاق سے بے پرواہی اختیار کی گئی۔ اپنی ذات، برادری، عزیزوں و دوستوں کے لیے ناجائز کو جائز بنایا گیا اور اپنے ذاتی مقصد اور فائدے کے لیے دفتری اور قانونی ذہانت کو استعمال کر کے حقداروں کو محروم رکھا گیا۔

یوں دفتروں اور سرکاری اداروں میں دھیمی آنچ پر باہمی عداوت و مخاصمت کے نادیدہ ماحول کو فروغ دیا گیا۔ دفتروں میں ہندو اور مسلمان میں باہمی نفرت و عداوت پیدا ہوئی اور افسر اور ماتحت کے درمیان بھی نفرت و حقارت نے جنم لیا۔ مقامی لوگوں کے دلوں میں پیدا ہونے والا باہمی نفرت، عداوت اور مخالفت و مخاصمت کا یہی وہ بیج تھا جو رفتہ رفتہ پودے سے تناور درخت بنا۔ جس نے بالآخر ایک ہزار سال تک اکٹھی بسنے والی دونوں اقوام کو نہ صرف تقسیم کیا بلکہ جدا جدا وطن کے مطالبے پر مجبور کیا۔ یہ آزادی کی تحریک صرف فرنگی استعمار سے ہی نجات نہ تھی بلکہ ایک دوسرے سے بھی نجات کی تحریک تھی۔ نفرت و عداوت اور مخاصمت کا یہی ماحول تقسیم ہند کے وقت اپنے پورے عروج پر دکھائی دیتا ہے۔ جب ہجرت کرنے والے لاکھوں مسلمانوں کو شہید کر دیا جاتا ہے، ہزاروں خواتین کی عصمت دری کی جاتی ہے اور ہزاروں بچوں کو سنگینوں اور بھالوں میں پرو دیا جاتا ہے۔

> منظم و مہذب معاشرہ اپنے اجتماعی وجود میں ایک دوسرے کیلئے ایثار کا جذبہ سموئے ہوئے ہوتا ہے

مذکورہ تاریخی واقعات سے اس جانب توجہ مبذول کروانا مقصود ہے کہ کسی بھی اعلیٰ انسانی معاشرہ کو ہر حال میں اپنی تہذیبی روایات، اپنی اخلاقی اقدار اور اپنی انسانی شناخت کو فراموش نہیں کرنا چاہیے۔ ہر حاکمِ وقت کی اولین ذمہ داری ہے کہ وہ اپنی قوم کی جہاں مادی ترقی کو فروغ دے، وہاں اس کی اخلاقی اور سماجی ترقی کو بھی پروان چڑھائے۔ یہی قوم و ملک کے ساتھ اس حاکم کی سچی خیر خواہی اور محبت ہے۔ ہر قوم کو ہر زمانے میں اخلاقی اصلاح اور سماجی سدھار کی ضرورت ہوتی ہے۔ ملک کی معاشی و سیاسی منصوبہ بندی کے ساتھ حکمرانوں کو سوسائٹی کی اعلیٰ اقدار اور ارفع روایات کو زندہ رکھنے پر بھی محنت کرنی چاہیے۔

جب ہم ایشین سوسائٹی کے مقابل یورپین سوسائٹی کو دیکھتے ہیں تو وہاں ہمیں ایک طرف انسانی زندگی کی بہترین تنظیم اور اعلیٰ شہریت کا احساس غالب نظر آتا ہے، انسان کی بحیثیت انسان قدر نظر آتی ہے اور سوسائٹی کے افراد گھٹیا قسم کی بداخلاقیوں سے اعراض کرتے دکھائی دیتے ہیں مگر دوسری طرف ہم دیکھتے ہیں کہ اعلیٰ قسم کی بداخلاقیوں اور بلند معیار کی بے اصولیوں کو وہ شاید جائز سمجھتے ہیں اور افراد کی بجائے اقوام اور ممالک کے ساتھ ناانصافیاں کرتے ہیں۔ پسماندہ اقوام کو لڑا کر اور غریب ممالک کو تباہ کر کے اپنی تجارت کو خوب فروغ دیتے ہیں۔ شہروں کو مٹی میں ملا دینے سے احتراز نہیں کرتے۔ افراد اور اشخاص کے معاملے میں ادنیٰ سی وعدہ خلافی پر ان کو تکلیف ہوتی ہے مگر اقوام اور ممالک کے معاملے میں بڑی سے بڑی عہد شکنی کرتے ہیں۔

مقام غور یہ ہے کہ اس معاشرے کے حکمرانوں کے کردار میں یہ تضاد کیوں ہے۔۔۔؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اگر دل سے خالی اور ضمیر سے عاری نظام تعلیم کسی قوم اور ملک کو اخلاقی سطح پر اونچا کر سکتا ہوتا تو اس وقت مغرب شخصی اور اجتماعی اخلاق میں دنیا کے لیے نمونہ ہوتا۔ حقیقت امر یہ ہے کہ معاشرے کی اصل تعمیر اور پائیدار ساخت پیغمبروں کی تعلیمات پر ہوتی ہے اور ان ہی کے اصولوں کو اپنانے سے اقوام عظیم بنتی ہیں۔ انبیاء و رسل علیہم السلام اپنی ساری توانائیاں معاشرے کی اصلاح اور فلاح پر صرف کرتے تھے اور ان کے کردار کو عظیم کردار میں ڈھالتے تھے۔ وہ اپنی سوسائٹی سے ان ہونی امیدیں قائم نہیں کرتے تھے اور نہ ہی ان پر وہ بوجھ ڈالتے تھے جس کو وہ اٹھا نہ سکیں۔ وہ سب سے پہلے معاشرے کے ایمان اور عقیدہ پر محنت کرتے، پھر اپنے معاشرے کے اخلاق اور اعمال کو سنوارتے اور سدھارتے تھے۔ اپنے ماتحت، زیر تربیت اور اپنے ماننے والوں کے کردار کو عظیم کردار میں بدلتے تھے۔ قوم کو اپنی نفسیاتی خواہشات کو منضبط کرنے کی تعلیم دیتے تھے اور بسا اوقات اپنی خواہشات کے برعکس اور نفس کے خلاف کام کرنے کی طاقت ان میں پیدا کرتے تھے۔ جب نفوس کا تزکیہ ہو جاتا تو ان سے اعلیٰ کردار جنم لیتے۔ جیسے پھل دار درخت سے پھل پیدا ہوتے ہیں،

معاشرے کی اصل اخلاقی و روحانی تعمیر اور پائیدار ساخت پیغمبرانِ خدا کی تعلیمات پر ہوتی ہے

آگ سے گرمی پیدا ہوتی ہے، سورج سے روشنی ظاہر ہوتی ہے، اسی طرح انبیاء و رسل علیہم السلام کی اعلیٰ تعلیم کے ذریعے بہترین تربیت یافتہ اور عظیم شخصیات منصہ شہود پر آتی ہیں۔ بلاشبہ افراد کی اصلاح سے اعلیٰ اور مثالی معاشرہ ظہور پذیر ہوتا ہے۔

قوم میں تبدیلی ان کے باطن کی تبدیلی سے رونما ہوتی ہے۔ انسانی شخصیت کی اندرونی تبدیلی کے لیے ایمان سے بڑھ کر کوئی قوت، طاقت اور تربیت مؤثر نہیں رہی ہے۔ جب تک انسان کے اندر اللہ کی ذات کا یقین پیدا نہ ہو اور اس کا خوف اس کے وجود میں جگہ نہ پائے اور اللہ کے حضور جوابدہی کا کوئی ڈر اسے نہ ہو تو اس آدمی کا اخلاق اور کردار کبھی نہیں سنور سکتا۔ اللہ کی ذات پر یقین اور ایمان ہی انسان کے اندر ذہنی اور اخلاقی انقلاب پیدا کرتا ہے اور اس کے کردار کو عظیم کردار کا روپ دیتا ہے۔ یہی وہ ایمان کی طاقت اور قوت تھی جس نے چھٹی صدی ہجری کے انسانوں کو رسول اللہ ﷺ کی صحبت اور قیادت میں دنیا کا عظیم انسان بنا دیا تھا اور ان کی صدیوں کی بری عادتیں چھڑا دیں۔ وہ لوگ جو معصوم اور بے گناہ بچیوں کو زندہ درگور کرتے تھے اب یتیموں کی کفالت کو اپنے لیے سب سے بڑا اجر عظیم سمجھنے لگے۔

> **آپ ﷺ کی 23 برس کی محنت سے دنیا کی کایا پلٹ گئی، نیکی کو شر پر غلبہ مل گیا، اچھے برے کی تمیز ہو گئی**

اس اسلامی معاشرے میں جنم لینے والا یہی وہ عظیم اخلاقی کردار تھا جس کے باعث کسریٰ ایران کے ساتھ جنگ میں ایک غریب مسلمان مجاہد میدان جنگ میں قیمتی ہیرے و جواہرات اور سونا ملنے پر خاموشی سے امیر الحرب کے سپرد کر دیتا ہے کہ یہ اللہ کا مال ہے، اس کو بیت المال میں جمع کر لیں اور اپنے نام کو اس لیے ظاہر نہیں کرتا کہ مجھے کسی کے شکریہ اور تعریف کی قطعاً حاجت نہیں ہے۔ جس کی رضا اور خوشنودی کے لیے میں نے یہ سارا عمل کیا ہے، وہ مجھے خوب جانتا ہے۔ اس معاشرے کی اعلیٰ اخلاقی حالت، سماجی رفعت اور عظیم طاقت یہ تھی کہ شراب حرام ہونے کے حکم کا سن کر شراب کا پیالہ منہ سے ہٹ جاتا ہے، منہ کی شراب اُگل دی جاتی ہے، شراب کے مٹکے اور برتن توڑ دیئے جاتے ہیں اور مدینہ منورہ کی گلیوں کی نالیوں میں شراب بہتی ہوئی نظر آتی ہے۔

رسول اللہ ﷺ نے انسانیت کی اصلاح اور فلاح اور ان کی اخلاقیات کی تعمیر کے لیے اپنی زندگی کو خطرے میں ڈالا۔ اپنا سب کچھ قربان کیا، بادشاہی کا تاج اور دولت کو ٹھکرایا، اپنے آبائی اور محبوب وطن کو چھوڑا، پیٹ پر پتھر باندھے، کبھی پیٹ بھر کر کھانا نہ کھایا، گھر والوں کو فقر و فاقہ میں شریک رکھا، دنیا کی ہر قربانی دی اور دنیا کے ہر فائدے اور ہر لذت سے دور رہے مگر عالم انسانیت کو صراط اخلاقیات اور اعلیٰ اقدار کا وہ درس دے گئے کہ تاریخِ انسانی کا دھارا بدل گیا۔

آپ ﷺ نے محض 23 برس میں دنیا کی کایا پلٹ دی، دنیا کا ضمیر جگا دیا، نیکی کو شر پر غلبہ مل گیا، انسانوں کو اچھے اور برے کی تمیز ہو گئی، خدا کی بندگی کا راستہ کھل گیا، انسان طبقات میں ذات پات کی اونچ نیچ دور ہو گئی، زبان و نسل اور رنگ و علاقے کا فرق ختم ہو گیا، قومی اور نسلی غرور ٹوٹ گیا، عورتوں کو ان کے حقوق مل گئے اور کمزور اور بے کسوں کی دلجوئی ہونے لگی۔

ایسے کردار کا حامل انسانی معاشرہ معرضِ وجود میں آیا جس کے افراد دشمن کے ساتھ بھی انصاف کرنے لگے، دوسروں کے آرام کی خاطر مصیبت برداشت کرنے لگے اور کمزور کو طاقتور پر ترجیح دینے لگے۔

اگر انسانی معاشرہ صدیوں کا سفر کرتے کرتے پیچھے چلا جائے تو اس انسانی معاشرے کی تعمیر میں جو کچھ رسول اللہ ﷺ نے اسے عطا کیا ہے، وہ سب کچھ اس سے اگر لے لیا جائے تو انسانی تہذیب اور انسانی معاشرہ ہر مثبت قدر اور اخلاق سے محروم نظر آئے گا۔

آج دنیا کی موجودہ فتنہ و فساد کی حالت دین اسلام کی تعلیمات سے دوری اور اسوۂ مصطفیٰ ﷺ کو اپنے کردار و عمل کا حصہ نہ بنانے کے سبب ہے۔ عصر حاضر میں اگر انسانی اقدار اور ارفع انسانی روایات میں کوئی تباہی اور بربادی ہے تو اس کے ذمہ دار ہم خود ہیں۔ اس موجودہ زبوں حالی پر ہمارا کردار اس شخص کی طرح ہے جو سارے درخت کاٹ کاٹ کر سایہ تلاش کرتا ہے۔

تمام پیڑ جلا کر خود اپنے ہاتھوں سے
عجیب شخص ہے کہ سائے تلاش کرتا ہے

ہمیں ایمان کے اس شجرِ سایہ دار کی حفاظت کرنا ہو گی، اسے محبت رسول ﷺ اور تعلیماتِ دین سے سیراب کرنا ہو گا، اسی صورت ہم اس شجر سے اعمالِ صالحہ کا پھل حاصل کرنے میں کامیاب ہو سکتے ہیں۔

حضرت فریدِ ملت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ

ایک عہد ساز شخصیت

محمد فاروق رانا

مؤسّس اوّل، محسنِ تحریک، حاملِ معارِف، صاحبِ اَسرار، عارفِ ربانی، حاملِ فراستِ رحمانی، فریدِ ملت حضرت ڈاکٹر فریدالدین قادریؒ 1918ء میں عُشاق وعُرفا کی دھرتی اور خطۂ مردم خیز جھنگ صَدر رنگ میں پیدا ہوئے۔ اِبتدائی تعلیم جھنگ کے اِسلامیہ ہائی اسکول سے حاصل کی اور اس کے ساتھ ہی علومِ شرعیہ وشرقیہ (درسِ نظامی) کی بھی تکمیل کی۔

حضرت فریدِ ملت کثیر الجہات، جامع الکمالات اور مجموعۂ صفات وحسنات شخصیت تھے۔ اس فردِ فرید کی شخصیت اَوصاف وخصائص کی کہکشاں، محامد ومحاسن کی دھنک، خوبیوں کا مرقّع اور للّٰہیت کا پیکر تھی۔ سچ تو یہ ہے کہ وہ اپنی ذات میں ایک انجمن تھے۔ وہ ظاہری وباطنی اور صوری ومعنوی حیثیت سے ایک بہت بڑے اِنسان، اِنابت وخشیت کے سانچے میں ڈھلے ولی اللہ، اپنے دور کے مسلّمہ عالم اور محقق، جیّد محدّث، فقیہ، علم العقیدہ کے متخصص، جامع العلوم وکامل الفنون، مجتہد، بے بدل خطیب، نغز گو شاعر، ادیبِ لبیب، شفیق وخلیق، کشادہ دل، وسیع النظر اور اَعاظمِ رِجال میں سے تھے۔ ان کی شخصیت کے اِتنے گوشے اور جہات تھیں جس کا اِنسان کم ہی تصور کرسکتا ہے یا کم لوگوں کو اللہ تعالیٰ اِتنی نعائم اور نوازشات سے بہرہ یاب کرتا ہے۔ ہر کہ ومہ جو اُن سے

شرفِ ملاقات کرتا اور اُن کی فکری و نظری مجالس سے مستفید و مستفیض ہوتا، عربی شاعر کا یہ شعر اُس کے حافظے کے گل کدے میں چٹکنے اور مچلنے لگتا:

لَيْسَ عَلَى اللهِ بِمُسْتَنْكَرٍ أَنْ
يَجْمَعَ الْعَالَمَ فِيْ وَاحِدٍ

”یہ کوئی اچنبھے کی بات نہیں جس کا اِنکار کیا جائے کہ اللہ رب العزت پوری دنیا ایک ہی فرد میں جمع کر دے۔“

ا۔ علمی مقام و مرتبہ

حضرت فریدِ ملتؒ ایک وسیع المطالعہ، راسخ العقیدہ اور فکری واضحیت کی حامل یگانۂ روزگار نابغہ عبقری شخصیت تھے۔ علوم و فنون میں آپ کی دِقّت نظری اور پختگی کا عالم یہ تھا کہ اُس عہد کے اَجل علماء کسبِ فیض کے لیے آپ کے درِ علم پر نیاز مندانہ حاضری دیتے۔

(۱) حضرت فریدِ ملتؒ کے شیوخ و اساتذہ

حضرت فریدِ ملتؒ ڈاکٹر فرید الدین قادری نے علم الحدیث، علم التفسیر، علم الفقہ واصولہ، علم التصوف والمعرفۃ، علم اللغۃ والأدب، علم النحو والبلاغۃ اور دیگر کئی اِسلامی علوم و فنون اور منقولات و معقولات کا درس اور آسانید و اِجازات مکہ معظمہ، مدینہ منورہ، بغداد، شام، لبنان، طرابلس، مغرب و شنقیط اور پاک و ہند کے ایسے جید شیوخ اور کبار علماء سے حاصل کیں جنہیں گزشتہ صدی میں اِسلامی علوم کا منبع اور سرچشمۂ معدن و مخزن اور سند و حجت تسلیم کیا جاتا تھا۔ وہ عدیم النظیر شیوخ و اساتذہ مستند و معتبر آسانید کے ذریعے حضور نبی اکرم ﷺ تک منسلک ہیں۔

(۲) علوم و فنون میں مہارت

حضرت فریدِ ملتؒ نے عصری مقتضیات کے پیشِ نظر قدیم و جدید علوم و فنون پر کمال اور لائقِ رشک دسترس حاصل کی۔ آپ کو درج ذیل علوم و فنون پر مہارتِ تامہ اور کامل ملکہ حاصل تھا: (1) علوم القرآن۔ (2) علم التفسیر۔ (3) علوم الحدیث۔ (4) اُصول الحدیث۔ (5) علم الفقہ واصولہ۔ (6) علم التصوف والمعرفۃ۔ (7) علم الصرف۔ (8) علم النحو۔ (9) علم المعانی۔ (10) علم العروض۔ (11) عربی ادب۔ (12) فارسی ادب۔ (13) علم الطب (Medical Sciences)۔ (14) منطق و فلسفہ۔

آپ نے حصولِ علم و معرفت کے لیے جھنگ سے سیالکوٹ، لکھنؤ اور حیدر آباد دکن کے علاوہ بیرون ملک حرمین شریفین، عراق، شام، ترکی اور ایران کے سفر بھی کیے۔ آپ نے ایک سفر نامہ بھی تحریر کیا، جس میں ایران، عراق، ترکی اور شام کے سفر کی رُوداد بیان کی ہے۔

☆ حضرت فریدِ ملتؒ عملی زندگی میں شعبۂ طب سے وابستہ تھے، مگر آپ نے درس و تدریس کا سلسلہ زندگی بھر بلا تعطل جاری رکھا۔ جہاں جاتے اپنے نظام الاوقات میں سے دو سے تین گھنٹے علوم و فنون کی تدریس و ترویج کے لیے وقف کرتے۔ اِرد گرد اور دور و نزدیک سے آنے والے تشنگانِ علم اکثر منتہی طلبہ ہوتے جو آپ سے علوم و فنون کی اُمہات الکتب کے اَسباق پڑھتے۔

☆ حضرت فریدِ ملتؒ اپنے وقت کا کثیر حصہ صرفِ مطالعہ اور نذرِ کتب بینی کرتے۔ دورانِ مطالعہ جہاں کہیں اِعتقادی و فکری نکتہ ملتا اسے کتاب کی ابتداء میں نوٹ فرمالیتے۔ آپ ہر سفر میں نادر و نایاب اور نہایت مفید کتب خرید کر لاتے۔ آج وہ تمام علمی ذخیرہ آپ کے نام سے منسوب تحقیقی اِدارے ''فریدِ ملتؒ ریسرچ اِنسٹی ٹیوٹ (FMRi)'' کی لائبریری کی زینت ہے۔

(۳) علمی مجالس میں آپ کا مقام

حضرت فریدِ ملتؒ کے علمی مقام کا اندازہ اِس اَمر سے بھی لگایا جاسکتا ہے کہ آپ کا جن جن مقامات و اِجتماعات میں جانا ہوتا، آپ کا کلیدی خطاب بہ طور مہمانِ خصوصی مجلس کے آخر میں ہوتا۔ شیخ الاسلام حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی آپ کا خصوصی اِکرام فرماتے تھے۔ اُن کی زیرِ صدارت منعقدہ تقاریب و مجالس میں آپ ہی کا خطاب باصواب خصوصی ہوتا۔ یہاں ہم ان اکابر مشائخ اور علماء کا تذکرہ کرتے ہیں جن کے ساتھ اکثر آپ کی علمی و فکری نشستیں رہتی تھیں: (1) حضرت خواجہ محمد قمر الدین سیالوی۔ (2) حضرت خواجہ فخر الدین سیالوی۔ (3) غزالیِ زماں حضرت سید اَحمد سعید کاظمی۔ (4) علامہ قطب الدین۔ (5) مولانا عبد الغفور ہزاروی۔ (6) صاحبزادہ سید فیض الحسن شاہ آلو مہار شریف۔ (7) مولانا محمد عمر اِچھروی۔ (8) مولانا عبد الرشید رضوی۔ (9) مولانا عبد الستار خان نیازی۔ (10) مولانا اَحمد بخش ضیائی۔

یہ اُس دور کے کوہ قامت اکابر علماء تھے جن کے ساتھ حضرت فریدِ ملتؒ ہر وقت ہم مجلس رہتے۔ جب بھی ان میں سے کوئی ایک خطاب کے لیے جھنگ تشریف لاتا یا جھنگ کے گرد و نواح میں ان کا ورودِ مسعود ہوتا تو وہ منتظمین کے سامنے یہ شرط رکھتے کہ جھنگ میں قیام کے دوران ہماری رہائش کا اِنتظام حضرت فریدِ ملتؒ کے درِ دولت میں کروا دیں؛ تاکہ جھنگ میں بسر ہونے والی ایک دو

راتیں اُن سے کسبِ فیض میں بسر ہوں، اِن غنیمت ساعتوں میں ان سے مذاکرۂ علم ہو اور ان کی صحبت و معیت اور مجلس میں گزرے لمحات بیش قیمت ہو جائیں۔ نیز اس بابرکت وقت میں مختلف کتب اور علوم کے عطر و عنبر سے مشامِ جان کو معطر کرنے کی سعادت سے فیض اندوز ہو سکیں۔

(۴) حضرتِ فریدِ ملتؒ سے اکابر علماء کا اخذ فیض

بعد کے زمانے کے اکابر علماء اور بلند پایہ شخصیات بھی اکثر اَوقات حضرت فریدِ ملتؒ سے اَخذ فیض کے لیے حاضر ہوتیں۔ مختلف علمی موضوعات پر طویل نشستیں ہوتیں اور مذاکرہ ہائے علم ہوتے تھے۔ مجاہدِ ختمِ نبوت مولانا عبدالستار خاں نیازی خصوصی وقت لے کر آپ کی زیارت، خدمت اور صحبت میں کچھ دن گزارنے کے لیے آئے اور حضرت فریدِ ملتؒ کے ہاں قیام کیا۔ انہوں نے آپ سے اِکتسابِ فیض کیا اور کچھ وظائف اور اجازات بھی لیں۔ اِسی طرح حضرت پیر کرم شاہ صاحب الازہری کا بھی آپ کے ساتھ بے پناہ فکری و نظری اور قلبی تعلق تھا۔

(۵) قوتِ حافظہ اور عربی و فارسی زبان پر مہارت

حضرت فریدِ ملتؒ بے پناہ قوتِ حافظہ اور ذہانت و فطانت کے مالک تھے۔ دورانِ خطاب موضوع سے متعلقہ کتب کے حوالہ جات اور طویل عبارات صحت کے ساتھ بلا توقّف بیان فرماتے۔ آپ عربی و فارسی زبانوں کے قواعد سے واقف تھے اور ان زبانوں میں اَہلِ زبان کی طرح بڑی روانی سے اپنے مافی الضمیر کا اظہار کرتے۔ قادر الکلامی کا یہ عالم تھا کہ پنجاب یونی ورسٹی میں طب کے اِمتحان میں آپ نے نبض کے موضوع پر چالیس صفحات پر مشتمل مقالہ عربی میں سپردِ قلم و قرطاس کیا۔

(۶) خطابت، فنِ تقریر اور شعر و ادب میں مقام

حضرت فرید ملتؒ جہاں بہترین مدرّس تھے، وہاں ایک مؤثر القلوب اور ساحر البیان خطیب بھی تھے۔ آپ کی تقریر صرف دلائل و براہین سے مزین نہ ہوتی بلکہ موضوعِ زیرِ گفت گو پر وارِد اِشکالات و اِعتراضات کا ایسا شافی و مسکت جواب دیتے کہ سامعین قلبی و ذہنی سطح پر بشاشت اور طمانیّت محسوس کرتے۔

☆ حضرت فریدِ ملتؒ ایک صاحبِ طرز ادیب اور قادر الکلام حاضر طبع شاعر بھی تھے۔ آپ طویل عرصہ لکھنؤ اور حیدر آباد دکن میں قیام پذیر رہے اور وہاں کی شعری و ادبی فضاؤں میں آپ کا شعری ذوق صیقل ہوتا رہا۔ آپ شاعری میں امیر مینائی کے بھتیجے شکیل مینائی سے اِصلاح لیتے

تھے۔ آپ کے کلام کا مجموعہ ''دیوانِ قادری'' کے نام سے ایک بیاض میں موجود تھا، لیکن شومئ قسمت کہ اس کا بیشتر حصہ زمانے کی دستبرد کی نذر ہو گیا۔ اس دیوان میں شامل ''سلام بہ حضور خیر الانام ﷺ'' سے آپ کے بلند اور اعلیٰ درجہ شعری ذوق اور بے پناہ اور بے کراں عشقِ رسول ﷺ کا اِظہار ہوتا ہے۔

مجھے تو اب کوئی آ کے پہلے سکونِ قلب و جگر بتا دے
کہ سازِ ہستی کی کشمکش تو رہے گی پیچھے بہ تا قیامت

۲۔ فنِ طب کے عظیم محقّق

حضرت فریدِ ملتؒ کو علم الطب (Medical Sciences) میں بھی کمال مہارت حاصل تھی، خصوصاً نبض شناسی میں انہیں محیّر العقول حد تک ملکہ حاصل تھا۔ آپ دینی اور طبّی تعلیم کے حصول کے لیے سیالکوٹ کے معروف عالم دین اور حاذق طبیب مولانا محمد یوسف سیالکوٹی کی خدمت میں حاضر ہوئے اور اِکتساب علم و ہنر کیا۔ میٹرک کے بعد انہی کی ترغیب پر آپ لکھنؤ تشریف لے گئے۔

☆ آپ نے لکھنؤ میں فرنگی محل جیسے معروف علمی مرکز میں داخلہ کے ساتھ ساتھ منبع الطب کالج میں بھی داخلہ لیا۔ یہاں آپ کو ڈاکٹر عبد العزیز لکھنوی (ایم آر اے ایس لندن)، پرنسپل منبع الطب کالج لکھنؤ مولانا حکیم محمد ہادی رضا لکھنوی اور مولانا حکیم محمد حسین رضا لکھنوی جیسے اساتذہ سے استفادہ کا موقع ملا۔ آپ نے 3 فروری 1934ء مطابق 21 شوال 1352ھ کو طب میں اِبتدائی ڈپلومہ حاصل کیا۔

☆ آپ نے تکمیل الطب کالج لکھنؤ میں بھی داخلہ لیا۔ کالج کے پرنسپل شفاء الملک حکیم عبد الحلیم لکھنوی تھے، جو متحدہ ہندوستان کے دورِ اواخر کے بہت بلند پایہ حکماء و اَطبّاء حکیم محمد اجمل خان دہلوی اور حکیم نابینا اَنصاری کے ہم سَر تھے۔

(۱) کنگ جارج میڈیکل کالج سے طبِ جدید کی تعلیم

لکھنؤ میں قیام کے دوران حضرت فرید ملتؒ کو طبِ قدیم اور طبِ جدید کے دو بڑے اِداروں سے بہ یک وقت اِکتسابِ علم کا زرّیں موقع میسر آیا۔ یہاں قائم طبیہ کالج اور کنگ جارج میڈیکل کالج کے ذہین و ذکی طلباء کو یہ سہولت اور اِجازت حاصل تھی کہ طبیہ کالج کے فہیم و فریس طلبا کنگ جارج میڈیکل کالج سے میڈیکل سائنس کے بعض مضامین کی کلاسز میں بیٹھتے اور میڈیکل کالج کے بعض

طلبا طبیہ کالج کی بعض کلاسوں میں شامل ہوتے۔ چنانچہ آپ نے کنگ جارج میڈیکل کالج سے بھی میڈیکل کی ڈگری لی اور طبیہ کالج لکھنؤ سے طبِ یونانی میں تخصّص کیا۔ آپ نے فاضلِ طب والجراح کی سند (Qualified Degree of Physician & Surgeon) اوّل پوزیشن کے ساتھ حاصل کی۔

(۲) نبض میں تخصُّص

مرض کی تشخیص کے سلسلے میں نبض شناسی کو دورِ قدیم سے ہی بڑی اہمیت حاصل ہے۔ حکیم عبد الحلیم لکھنوی نے نبض شناسی میں تخصّص کے لیے آپ کو اُس دور کے عظیم نباض حکیم عبد الوہاب المعروف حکیم نابینا انصاری کے پاس ایک خصوصی تعارفی خط کے ساتھ بھیجا۔ حکیم نابینا انصاری دہلی کے رہنے والے تھے اور نظام حیدر آباد دکن کے ہاں افسر الاطباء (Medical Officer) کے عہدے پر فائز تھے۔ حضرت فرید ملتؒ حیدر آباد دکن تشریف لے گئے۔ وہاں پہنچنے پر حکیم نابینا انصاری نے آپ کا انٹرویو اور ٹیسٹ لیا جس میں کامیابی کے بعد آپ کو اپنے مستفیدین کے خاص حلقہ میں شامل کر لیا۔ جب حکیم صاحب حیدر آباد دکن سے دہلی واپس آئے تو حضرت فرید ملتؒ بھی ان کے ہمراہ آ گئے اور پورا ایک سال وہاں مقیم رہ کر نبض شناسی میں وہ تبحر حاصل کیا کہ اُن ایسا ماہر نباض ان کے معاصرین میں ڈھونڈے سے بھی نہ ملا۔

(۳) فنِ نبض شناسی پر جامع مقالہ اور گولڈ میڈل

حضرت فرید ملتؒ جب لاہور تشریف لائے تو حمایتِ اسلام طبیہ کالج لاہور میں داخلہ لیا۔ یہاں سے زُبدۃ الحکماء کا اِمتحان اوّل پوزیشن میں پاس کیا اور پنجاب یونی ورسٹی سے گولڈ میڈل حاصل کیا۔ مذکورہ امتحان میں آپ نے فنِ نبض شناسی پر چالیس صفحات پر مشتمل عربی زبان میں ایک مقالہ اِرتجالاً لکھا۔ اس مقالہ میں فنِ نبض شناسی پر جامع اور مبسوط بحث کی۔ ممتحن حضرات نے جب یہ مقالہ پڑھا تو ان کی حیرت کی انتہا نہ رہی۔ وہ تحسینی الفاظ میں یہ لکھنے پر مجبور ہوئے:

”اِس مقالہ کا بہ نظرِ تعمق ہمہ جہتی جائزہ لیتے ہوئے یہ یقین نہیں آتا کہ یہ کسی طالب علم کا مقالہ ہے یا اس فن کے کسی ماہر امام کی تصنیفِ لطیف“۔

☆ حضرت فرید ملتؒ نے فنِ طب پر درج ذیل چار کتب تصنیف فرمائیں:

(1) شفاء الناس (زمانہ طالب علمی کے فوراً بعد لکھی)۔ (2) بیاض فریدی۔ (3) زُبدۃ التجربات۔ (4) تفرید الفرید۔

۳۔ حضرت فریدِ ملتؒ: عصرِ حاضر کی اِحیائی تحریک کے داعیِ اوّل

حضرت فریدِ ملتؒ کے دل میں تجدیدِ دین اور اِحیاءِ اسلام کی تڑپ بہ درجہ اَتم موجود تھی۔ آپ کو ہر وقت اُمتِ مسلمہ کے عروج و اقبال کی فکر دامن گیر رہتی اور اس کے لیے ہر سطح پر کوشاں رہتے۔

(ا) علمی و عملی کاوشیں

دریں چہ شک اُمتِ مسلمہ کے دورِ زوال کا آغاز تعلیمی اِنحطاط سے ہوا۔ حضرت فریدِ ملتؒ کو اس امر کا شدت سے اِحساس تھا، اس لیے آپ نے تعلیم پر خصوصی توجہ دی۔ آپ تحقیق و تصنیف کے فن میں طاق اور ماہر تھے۔ اِس فن سے شیفتگی، لگن اور والہیت کا جذبہ آپ نے اپنے بلند اِقبال صاحبزادے کو بھی اپنی نگاہِ فیض رساں سے ودیعت کیا۔

☆ اِحیاءِ اِسلام کے لیے آپ کی کاوِشیں صرف علمی و تحقیقی میدان تک ہی محدود نہ تھیں، بلکہ آپ نے عملی میدان میں بھی نمایاں خدمات سرانجام دیں۔ آپ سیاسی و مذہبی ہر دو محاذوں پر فعال و متحرک رہے۔ آپ بہ کثرت علماء و مشائخ سے رابطہ میں رہتے۔ اسی ضمن میں آپ نے دو مرتبہ حضرت پیر سید مہر علی شاہ کی خدمت میں حاضری دی۔

(i) تحریک پاکستان میں عملی کردار

حضرت فریدِ ملتؒ نے بانیِ پاکستان قائدِ اعظم محمد علی جناح کی ولولہ انگیز قیادت میں قیامِ پاکستان کی تاریخ ساز جد و جہد میں بھرپور حصہ لیا۔ آپ زمانۂ طالب علمی میں تحریکِ قیامِ پاکستان کے لیے سرگرمِ تگ و تاز رہے اور قیامِ پاکستان کی حامی طلبہ تنظیموں کے پروگراموں میں بھی جوش و جذبہ سے حصہ لیتے رہے۔ آپ نے حیدر آباد دکن اور لکھنو میں قیام کے دوران آل انڈیا مسلم اسٹوڈنٹس فیڈریشن اور آل انڈیا مسلم لیگ کے پلیٹ فارم سے مسلمانوں کی آزادی کے لیے کی جانے والی کاوشوں میں عملی طور پر مثالی اور مابہ الامتیاز کردار ادا کیا۔

لکھنو میں قیام کے دوران زمانہ طالب علمی میں آپ ایک student leader کے طور پر اُبھرے۔ اُس زمانے میں آزادیِ ہند کی فکر زور پکڑ رہی تھی اور تحریکِ پاکستان کی سوچ بال و پر حاصل کر رہی تھی۔ اس کا آغاز لکھنو سے ہوا تھا کیوں کہ 1910ء سے لے کر 1936ء تک آل اِنڈیا مسلم لیگ کا مرکزی دفتر لکھنو میں رہا اور اِس کے تمام مصارِف کی نگرانی اور اِنتظامی ذمہ داریاں فرنگی محل لکھنو کے ایک عظیم عالم دین مولانا عبد الباری فرنگی محلی کے پاس تھیں۔ اُن کی مدد کرنے والے راجہ صاحب محمود آباد اور دیگر چند لوگ تھے۔

فرنگی محل کے علماء کا اِس سلسلے میں بڑا تعاون تھا۔ چوں کہ دس سال تک حضرت فریدِ ملت کے تمام تعلیمی مرحلے وہاں طے پائے، لہٰذا وہ اُس دفتر سے منسلک تھے۔ یہاں فکر کا چشمہ پھوٹ رہا تھا اور آپ اُس سے فیض یاب و سیراب ہو رہے تھے۔ یوں اُنہوں نے آزادی کی تحریک میں ایک نوجوان راہ نُما کے طور پر مثالی، نمایاں اور قابلِ تقلید خدمات انجام دیں اور قابلِ ذکر معرکے سَر کیے۔

(ii) حکیم الامت علامہ محمد اقبال سے ملاقاتیں

قیامِ لکھنو کے دوران حضرت فریدِ ملت کے لیے ایک نوجوان لیڈر کی حیثیت سے بلند پایہ شخصیات سے قریبی تعلق اور ذاتی مراسم قائم کرنے کے مواقع اَرزاں ہوئے۔ آپ لکھنو سے حکیم الامت علامہ محمد اِقبال سے ملاقات کے لیے لاہور تشریف لاتے۔ اگر علامہ اقبال کا لکھنؤ جانا ہوتا تو آپ علامہ اِقبال سے ملاقاتیں کرتے۔ بعدازاں 1937ء میں جب حکیم الامت شدید علیل تھے اور بہ وجہِ ضعف و نقاہت ان سے ملاقاتوں کا سلسلہ مسدود ہو چکا تھا، اُن دِنوں بھی حضرت فریدِ ملت نے ان سے ملاقات کی۔ حکیم الامت نے ان کی اِرادت و عقیدت اور ذوق و اِشتیاق کے پیشِ نظر علالتِ طبع کے باوجود ملاقات سے انکار نہیں کیا بلکہ حضرت فریدِ ملت کو ڈیڑھ گھنٹے طویل ملاقات کا شرف عطا کیا۔

(iii) آل انڈیا مسلم لیگ کے تاریخی اِجلاس میں شرکت

حضرت فریدِ ملت نے اپنے دیرینہ دوست ڈاکٹر اِحسان صابری قریشی کے ہمراہ 23 مارچ 1940ء کو آل انڈیا مسلم لیگ کے منٹو پارک لاہور میں منعقدہ تاریخی اجلاس میں شرکت کی۔ آپ اس سہ روزہ اِجلاس میں شرکت کے لیے خصوصی طور پر لکھنؤ سے تشریف لائے۔ آپ تینوں دن جلسہ کی اوّلین صف میں موجود رہے۔

(iv) 1945ء/1946ء کے اِنتخابات میں اَن تھک جدّوجہد

حضرت فریدِ ملت مستقل مزاجی اور تسلسل سے تحریکِ پاکستان میں متحرّک اور مصروفِ عمل رہے۔ آپ نے 1945ء/1946ء کے عام اِنتخابات میں آل انڈیا مسلم لیگ کی کامیابی کے لیے بھرپور تگ ودَو کی، جن کے نتیجے میں مسلم اکثریتی علاقے اور ریاستیں پاکستان کا حصہ بن گئیں اور اِس طرح ایک خطِ تقسیم منصۂ شہود پر جلوہ گر ہوا اور مملکتِ پاکستان معرضِ وجود میں آئی۔ اُن انتخابات میں مسلمانوں کو دو قومی نظریے پر motivate کرنے میں، مسلمانوں کے لیے الگ خطۂ سلطنت اور مملکت کے حصول کی جد و جہد میں انہوں نے قائدانہ کردار (leading role) ادا کیا۔

(v) تقسیمِ ہند کے دوران مہاجرین کے لیے خدمات

14 اگست 1947ء کو جب آزادیِ پاکستان کا اعلان ہوا تو برصغیر کے کونے کونے سے مسلمانوں نے کثیر تعداد میں پاکستان کی طرف ہجرت کی۔ اِن دردناک حالات میں حضرت فریدِ ملت دوسرے مسلمان رضاکاروں کے ساتھ مل کر مہاجرین کی مدد کے لیے میدانِ عمل میں اُترے۔ آپ اُن طبّی ماہرین میں شامل تھے جو شبانہ روز مہاجرین کا علاج معالجہ مستعدی، یکسوئی اور دِل جمعی سے کرتے رہے۔

(vi) طلائی تمغہ کا اِعزاز

تحریکِ پاکستان اور تعمیرِ پاکستان کی اِنہی فقید المثال خدمات کے اِعتراف میں نظریہ پاکستان ٹرسٹ نے ریاست پاکستان کی جانب سے حضرت فریدِ ملتؒ کے وِصال کے 48 سال بعد 3 فروری 2021ء کو اُنہیں گولڈ میڈل اور تعریفی سرٹیفکیٹ دیا۔

۴۔ حضرت فریدِ ملتؒ اور شیخ الاسلام

ملتِ بیضا کی زبوں حالی دیکھ کر حضرت فریدِ ملت کا دل مسلسل خون کے آنسو روتا۔ اِسی لیے جب آپ کو پہلی بار 1948ء میں حرمِ کعبہ کی زیارت کا شرف حاصل ہوا تو آپ نے نہایت درد و سوز اور رِقت و لجاجت کے ساتھ اللہ تعالیٰ کی بارگاہ میں یہ دعا کی: ”باری تعالیٰ! مجھے ایسا فرزند عطا کر جو تیری اور تیرے دین کی معرفت کا حامل ہو، جو دنیا و آخرت میں تیری بے پناہ عطاء و رضا کا حق دار ٹھہرے اور فیضانِ رسالت مآب ﷺ سے بہرہ وَر ہو کر دنیائے اِسلام میں ایسے علمی و فکری اور اَخلاقی و روحانی اِنقلاب کے داعی کی حیثیت سے نام اور مقام بنائے، جس سے ایک عالم فیض یاب ہو۔“

> **حضرت ڈاکٹر فرید الدین قادریؒ کثیر الجہات، جامع الکمالات اور مجموعۂ صفات وحسنات شخصیت تھے**

اس کے بعد جب مدینہ منورہ پہنچے تو اس دعا کا جواب حضور ﷺ نے عطا فرما دیا: ”فرید الدین! تمہیں طاہر کی بشارت دیتے ہیں۔ جب وہ سنِ شعور کو پہنچے تو ہمارے پاس لے آنا تاکہ ہم اپنا حصہ اُسے عطا کریں۔“

آپ کی مستجاب دعا کے نتیجے میں 19 فروری 1951ء مطابق 12 جُمادی الاُولیٰ 1371ھ

بروز پیر آپ کے ہاں ایسا بیٹا پیدا ہوا جو آج نابغۂ عصر مجددِ رواں صدی شیخ الاسلام پروفیسر ڈاکٹر محمد طاہر القادری کی صورت میں عالمی اُفق پر تجدید واِحیاءِ دین اور اِسلامی اَقدار کی بحالی کے آفتابِ لاجواب کی حیثیت سے مصروفِ ضوپاشی ہے۔

حضرت فریدِ ملتؒ نے اُلوہی اَسرار و معارف اور اپنے باطنی جذب وکَیف اور سوز و درد کو آگے منتقل کرنے کے لیے اپنے فرزندِ اَرجمند کو بچپن ہی سے گوناگوں تربیتی مراحل سے گزارا۔ اللہ اور اُس کے رسول ﷺ سے عشق و محبت، دین اسلام کی لگن اور روحانی اعمال کے ساتھ قلبی لگاؤ بچپن ہی سے ان کے شعور و خمیر میں راسخ کر دیا۔ اِجتہادی بصیرت اور دینی فراست کی نشو و نما کے لیے ان کی دینی اور عصری تعلیم پر خصوصی توجہ دی تاکہ وہ نہ صرف مستقبل میں پیش آمدہ چیلنجز سے عہدہ برآ ہو سکیں بلکہ عقلی و نقلی دلائل سے اسلام کی حقانیت و فوقیت کے علم بردار اور پرچم کشا بھی بن سکیں۔

شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ فرماتے ہیں کہ ایک روز حضرت فرید ملتؒ نے خود اُن سے فرمایا: ''پوری زندگی میں نے اللہ سے ایک بار بھی کوئی دُنیوی شے طلب نہیں کی، بہ جُز ایک بار۔'' شیخ الاسلام نے عرض کیا: ''ایک بار کیا طلب کیا تھا؟'' جواب دیا: ''آپ کو طلب کیا تھا۔''

۵۔ روحانی مقام و مجاہدات

حضرت فریدِ ملتؒ کی حیات مجاہدات و ریاضات اور اِستقامت و مداومت سے عبارت تھی۔ رات کے پچھلے پہر رضاءِ اِلٰہی کے حصول کے لیے نالہ وفغاں اور گریہ وزاری زندگی بھر کا معمول رہا۔ درود پاک کا باقاعدگی سے وِرد کرنا اور قصیدہ بردہ شریف کے مکمل 160 اَشعار ہر رات تہجد کے بعد مدینہ شریف کی طرف منہ کر کے پڑھنا آپ کا جوانی سے ہی معمول تھا۔ عُمر بھر آپ کی ایک تہجد بھی قضا نہیں ہوئی۔

حضرت فریدِ ملتؒ کا توکل اور یقین کمال درجے کا تھا۔ اللہ تعالیٰ کی ذات پر یقین اور کامل توکل اور اُس کی ذات کے ہر اَمر کے ساتھ تفویض اور رضا بے پناہ تھی۔ اِس کے ساتھ پھر صبر و شکر بھی کمال کا تھا۔ شیخ الاسلام فرماتے ہیں کہ میں نے زندگی میں کبھی اُنہیں مضطرب، بے چین اور بے تاب نہیں دیکھا کہ کوئی بڑا معاملہ درپیش ہے، اُس کے لیے وسائل نہیں ہیں، اس کے باوجود ان کے علوِ توکل اور معراجِ یقیں کا یہ عالم ہوتا کہ پہاڑ جتنا مسئلہ بھی ہوتا تو فرماتے: ''اِن شاءاللہ العزیز! جلد حل ہو جائے گا، پریشان ہونے کی قطعاً ضرورت نہیں۔''

حضرت فرید ملتؒ کا عشقِ رسول اور نسبتِ رسول ﷺ کی پختگی کا جو عالم تھا ایسی کیفیت کم لوگوں کو زندگی میں نصیب ہوتی ہے۔ نسبتِ محمدی میں پختگی کمال درجے کی تھی۔

حضرت فریدِ ملّتؒ کی حیات مجاہدات و ریاضات اور اِستقامت و مداومت سے عبارت تھی

بلاشبہ اُن کا شمار آقا ﷺ کی بارگاہ کی حضوری والے خوش طالع اور خوش بخت اَولیاء و صالحین میں ہوتا ہے۔ جب کبھی رجوع فرماتے تو کریم آقا ﷺ کی حضوری نصیب ہوتی۔

اِسی طرح نسبتِ غوثیہ سے پختگی کمال درجہ پر تھی۔ ہر رات بلا ناغہ تہجد کے بعد اَوراد و وظائف میں قصیدہ بردہ شریف کے ساتھ دیگر اَذکار کے علاوہ قصیدہ غوثیہ اور حزب البحر بھی پڑھتے۔ نصف شب کے بعد اُٹھ جاتے اور گھنٹوں مصلیٰ پہ رہتے۔ اِنتہائی خشوع و خضوع سے طویل قیام اور رُکوع و سجود کرتے۔ حالتِ نماز میں روتے روتے آنسوؤں کی جھڑی لگ جاتی اور ہچکی بندھ جاتی۔ اِسی طرح دیگر اَولیاء کرام سے بہت گہرا روحانی تعلق اور پختہ ربط تھا۔ آپ اُن سے اِکتسابِ فیض کرتے اور ہر وقت اُن سے اِرتباط و اِتصال رہتا۔

۶۔ شخصی فضائل

حضرت فریدِ ملتؒ کی خلوت بھی پاک تھی اور جلوت بھی، ان کی خلوت و جلوت کی کیفیات ہمیشہ یکساں رہتیں۔ اُن کا لباس صاف ستھرا اور عادات غایت درجہ پاکیزہ و مطہر اور مصفّٰی تھیں۔ معمولات پاک تھے۔ حسنِ اَخلاق کا ثمر اور اِعجاز تھا کہ طبیعت میں پاکیزگی اور عاجزی و اِنکساری یوں کوٹ کوٹ کر بھری تھی جیسے کستوری میں خوشبو۔

(۱) حیاداری

حضرت فریدِ ملتؒ نے عمر بھر کسی عالم، محقق یا شیخِ طریقت کے بارے میں کبھی ایسا جملہ لب ہائے مبارک سے ادا نہیں کیا جس میں اُن پر تنقیص اور تنقید کا کوئی بالواسطہ پہلو بھی نکلتا ہو۔ تمام عمر کبھی کسی چھوٹے بڑے کی تنقیص کی نہ تنقید، نہ کسی کی کمزوری بیان کی اور

نہ اپنی مجلس میں کسی کو کسی کی کمزوری بیان کرنے کی اِجازت دی۔ یہ حیا داری تھی۔ اُن کی زبان کی طہارت اور تحفظِ سمع وبصر کا یہ عالم تھا۔

(۲) صفائے قلب وباطن

حضرت فریدِ ملتؒ کبھی کسی کے لیے تنگ دل نہیں تھے۔ اُن کے قلب کا آبگینہ سوئے ظن یا حسد کے تکدر سے یکسر پاک تھا، اُن کا قلبِ صافی کبر و عُجب سے منزہ تھا۔ طبیعت بھی بھرپور متواضع تھی۔ وہ سراپا عجز وانکسار اور حد درجہ ملنسار تھے۔ صوفیائے باصفا اور اولیائے باخدا کے یہی خصائص واَوصاف، علامات واَقدار اور محاسن وخصائل ہوتے ہیں۔

(۳) جود وسخا

حضرت فریدِ ملتؒ کی طبیعت میں کمال درجے کی فیاضی اور سخاوت تھی۔ اِنفاق فی سبیل اللہ، صلہ رحمی، غرباء، یتامیٰ، بیوگان اور خاص طور پر سادات گھرانوں کا بہت خیال رکھتے۔ جھنگ میں پندرہ بیس حاجت مند گھرانوں کی ماہانہ کفالت کرتے۔ شیخ الاسلام بچپن میں راتوں کے اندھیروں میں خود ضرورت مند افراد کے ہاں جاتے، دروازے پر دستک دیتے اور محروم الوسائل گھرانوں تک اَشیائے ضروریہ اور اَشیائے خورونوش پہنچاتے تھے۔

(۴) اِنسان دوستی

حضرت فریدِ ملتؒ ہر انسان کے ساتھ شفقت، ہمدردی، معاونت، راہ نُمائی اور خیر خواہی کا جذبہ رکھتے تھے۔ یہ بات بلا مبالغہ وبلا اِشتباہ کہی جاسکتی ہے کہ آپ نے پوری زندگی میں کبھی کسی کا بُرا نہیں سوچا۔ حکیم الامت علامہ محمد اقبال کے اِن اَشعار کا حقیقی مِصداق اور جیتی جاگتی تصویر تھے:

نہ تخت و تاج میں نَے لشکر و سپاہ میں ہے
جو بات مردِ قلندر کی بارگاہ میں ہے
مرے کدو کو غنیمت سمجھ کہ بادۂ ناب
نہ مدرسے میں ہے باقی نہ خانقاہ میں ہے

حضرت فریدِ ملتؒ کا 56 سال کی عمر میں 2 نومبر 1974ء مطابق 16 شوال 1394ھ بروز ہفتہ جھنگ میں وِصال ہوا۔

خدمتِ قرآن اور شیخ الاسلام

نور اللہ صدیقی

منہاج القرآن کا نام ہی اس کی مشن سٹیٹمنٹ ہے۔ رواں صدی میں علوم القرآن کے فروغ کے لئے تحریک منہاج القرآن کے پلیٹ فارم سے شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ نے جو خدمت انجام دی اور اللہ کے فضل و کرم کے ساتھ انجام دے رہے ہیں وہ بلاشبہ قابلِ ستائش اور قابلِ تقلید ہے۔ شرق و غرب سے تعلق رکھنے والے اہلِ علم حضرات اور نوجوان طبقہ اس مستند علمی و دینی مواد سے مستفید ہو رہا ہے۔ حال ہی میں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری کے قلم سے قرآن حکیم کا عربی زبان سے براہ راست انگریزی زبان میں ترجمہ شائع ہوا جس کی تاریخ ساز، عظیم الشان تقریبِ رونمائی برطانیہ میں ہو چکی ہے اور انگریزی دنیا کے لئے یہ ترجمۂ قرآن The Manifest Quran کے نام سے دستیاب ہے۔ یہ ترجمہ قرآن بہت جلد پاکستان میں بھی دستیاب ہو گا۔ اس ترجمۂ قرآن کی انفرادیت اس کی عام فہم انگریزی زبان ہے۔ وہ انگریزی زبان جو اِس وقت تعلیمی، تدریسی، تجارتی، سماجی، معاشرتی حلقوں میں بولی اور سمجھی جا رہی ہے۔ شیخ الاسلام نے اس ترجمہ کی ضرورت و اہمیت کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے فرمایا:

یہ ترجمۂ قرآن آج کے انگریزی بول چال والے نوجوانوں کے لئے زادِ راہ اور مینارۂ نور ہے۔ یہ ترجمۂ قرآن تفہیم کے اعتبار سے تفسیری شان کا حامل ہے۔ قرآن ایک ایسی الوہی کتاب ہے جس کی صداقت و حقانیت پر کوئی کلام نہیں ہے کیونکہ اس کی حفاظت کا ذمہ براہ راست اللہ رب العزت نے لے رکھا ہے۔ قرآن ہی وہ ضابطۂ حیات ہے جس پر عمل پیرا ہو کر نہ صرف اُمت مسلمہ صراطِ مستقیم حاصل کر سکتی ہے

بلکہ کوئی غیر مسلم بھی اگر اخلاص کے ساتھ اس کے اِخلاقی و سائنسی مضامین اور تعلیمات پر تدبر کرے گا تو اُس پر بھی کائنات کے اسرار و رموز کھلتے چلے جائیں گے۔

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری رواں صدی کے ایک عظیم محقق اور مجدد ہیں۔ اُنہوں نے فکری سطح پر قرآن مجید سے جو راہ نمائی حاصل کی اُس کا ابلاغ بھی عام فہم زبان میں کیا ہے۔ اللہ رب العزت نے اُنہیں علم و تحقیق سے محبت کی جس نعمت سے نوازا ہے، اُس کے ساتھ ساتھ زبان و بیان کے اظہار کا سلیقہ اور طریقہ بھی وافر عطا کیا ہے۔

ہر دور میں قرآنی مفاہیم اور مطالب کا ادراک مسلمان کی اولین ضرورت رہا ہے تاکہ منشاءِ خداوندی کو پا سکے اور پھر اسی سانچے میں زندگی کو ڈھال سکے۔ اللہ کروڑہا رحمتیں فرمائے ان مستقبل اندیش اور حقیقت شناس ربانی علماء پر اُمت محمدیہ ﷺ کی اس ضرورت کو محسوس کرتے ہوئے ہر دور میں قرآنی تعلیمات و مفاہیم کو عام کرنے کی کوشش کی اور تفاسیر و تراجم کے ذریعے انہیں خاص و عام تک پہنچایا۔ قرآن پاک ایسی کتاب نہیں جسے بازیچۂ اطفال بنا لیا جائے۔ اس کے لئے ادب و لغت میں مہارت، قوانین بلاغت میں مجتہدانہ بصیرت، ناسخ و منسوخ، توجیہ و تطبیق، تفسیری قوانین و ضوابط سے آگاہی اور فقہ و تدبر کے علاوہ عربی زبان سے خاص لگاؤ اور اس کا مزاج شناس ہونا ضروری ہے مگر جدت پسند اور بزعم خویش روشن خیال حضرات نے اپنی قابلیت کے غرور اور گھمنڈ میں ان اوصاف خاصہ کی ضرورت محسوس نہیں کی اور انشاپردازی کے زور پر ایسے تراجم پیش کر دیئے جنہیں اردو ادب کے حوالے سے انشاپردازی کا بہترین نمونہ تو کہا جاسکتا ہے مگر قرآنی مطالب کا حامل و علم بردار نہیں۔ یہ سعادت اُسی مردِ حق آگاہ کا استحقاق شرعی ہے جسے قرآن پاک کے ساتھ روحانی و جذباتی وابستگی حاصل ہو۔۔۔ وہ عربی علوم و فنون کا تیور شناس، ادب و لغت اور معانی و بلاغت کا ماہر اور اصول استنباط سے آگاہ ہو۔۔۔ فقہی مسائل پر عبور رکھتا ہو۔۔۔ ارض القرآن کی جغرافیائی حدود سے باخبر ہو۔۔۔ افلاک و آفاق کے بارے میں اُس کی معلومات وسیع اور جدید ترین ہوں۔۔۔ اور ان خوبیوں کے ساتھ وہ تقویٰ و طہارت کے اعلیٰ معیار پر بھی پورا اُترتا ہو۔

آج کی جدید دنیا کو بھی ایک ایسے ہی ترجمے کی ضرورت تھی جو اُن کے ذوق کے مطابق عام فہم، رواں دواں اور اسلوب قرآن سے ہم آہنگ ہو اور قاری محسوس کرے کہ اُس نے بات کی تہہ کو پالیا ہے۔ چنانچہ جہاں اور بہت سی سعادتیں اور نعمتیں شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری زیدِ مجدہ کے حصے میں آئی ہیں، وہاں یہ سعادت اور توفیق بھی ان ہی کو ارزانی ہوئی کہ وہ ایک معانی خیز اور دورِ حاضر کی ضرورت اور تقاضوں کے مطابق ایک سلیس و رواں ترجمہ اُمت کو عطا فرمائیں اور اُن کی اس دینی و علمی ضرورت کو پورا کریں چنانچہ شیخ الاسلام نے گوناگوں مصروفیات کے باوجود اس طرف توجہ دی اور اپنے فکر و فلسفہ اور عمیق مطالعہ کے نتائج

کو اردو زبان میں عرفان القرآن اور انگریزی زبان میں The Manifest Quran میں سمو دیا۔ یہ تراجم لغوی، نحوی، ادبی، علمی، اعتقادی، فکری، سائنسی، تفسیری اور جملہ پہلوؤں پر مشتمل جامع، عام فہم اور نادر ہیں۔ دوران مطالعہ علم دوست قاری بہت جلد محسوس کر لیتا ہے کہ ترجمہ میں سلاست و روانی پائی جاتی ہے اور اِس میں فصاحت و بلاغت، حُسن بیان اور عربی چاشنی کے ساتھ ساتھ وہ سب خوبیاں بھی موجود ہیں جو ایک سلیس اور عام فہم ترجمہ میں ہونا ضروری ہیں۔ ان تراجم کی ایک خاص بات اور انفرادیت یہ ہے کہ اِس میں مقام الوہیت اور ادبِ رسالت ﷺ کا بطورِ خاص خیال رکھا گیا اور ترجمہ میں یہ احتیاط برتی گئی ہے کہ قلم سے کوئی ایسا جملہ یا فقرہ نہ نکلنے پائے جو بے ادبی کے زمرے میں آتا ہو اور مقام الوہیت و ادبِ رسالت ﷺ کے منافی ہو۔ آج کے معاشرہ میں آزادئ افکار نے ابلیس کے اشارے پر یہ ستم بھی ایجاد کر دیا ہے کہ تراجم میں ادب و احترام کو ملحوظ نہیں رکھا جاتا اور بے دھڑک ایسے الفاظ لکھ دیئے جاتے ہیں جو ادب و احترام کے معیار پر پورے نہیں اترتے اور اسلامی عقائد و نظریات سے متصادم ہوتے ہیں۔

شیخ الاسلام کی ہمت و استقلال اور جُہد مسلسل جس قدر رواں دواں ہے، اُسی قدر ان کا اشہبِ قلم بھی اپنی پوری رفتار سے گامزن ہے۔ ترجمۃ القرآن کے باب میں اہل علم، علماء، محققین نے گراں قدر کام کیا ہے مگر اس میں ایک پیاس محسوس کی جاتی رہی ہے۔ قرآن مجید کے تراجم میں عربی زبان کی معنوی وسعتوں کو ہر ممکن حد تک سمونے کی علمی، فکری، شعوری اور تبلیغی کاوش کا کیا جانا ضروری تھا مگر یہ پہلو تشنہ رہا۔ تیز رفتاری سے آگے بڑھتے ہوئے سائنسی علوم نے قرآنی اور کائناتی حقائق کی توثیق و تصدیق کر کے جو عصری شعور تشکیل دیا اُس کے ساتھ قرآنی حقائق کا ابلاغ نئے دور کی سائنسی اصلاحوں کے ذریعے کیا جاتا مگر ترجمہ کرتے ہوئے یہ جہت نظر انداز ہوتی رہی۔ قرآن حکیم کی حقانیت کو سائنسی بنیادوں پر ثابت کرنا ضروری تھا۔ اس علمی خلاء کو عرفان القرآن کے ذریعہ بالخصوص شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے پُر کیا۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ان تمام اُمور کو کمال نفاست و فراست کے ساتھ انجام دیا اور عرفان القرآن میں جدید سائنسز کے توثیق کردہ قرآنی حقائق کا عصری شعور دیا۔ اسی طرح علم الفلکیات، علم النباتات، علم کیمیا، علم برقیات، علم حیاتیات، علم طب، علم الجنین، نفسیاتی علوم، نفسیات، صحافت، تعلیم، سیاسیات، معاشیات، عمرانیات اور فنون لطیفہ کے متعلق قرآن مجید نے قیامت تک آنے والے انسانوں کو تعلیمات سے نوازا ہے۔ قرآن پاک قیامت تک کے لئے ذریعہ راہ نمائی و وسیلۂ ہدایت ہے۔ اس لئے قیامت تک کی سائنسی ایجادات اور تخلیقات قرآن مجید کے تعلیمی مضامین سے باہر نہیں ہیں۔ زمینی حقائق اور سائنسی انکشافات کو قرآن مجید میں بیان کئے گئے پیشگی حقائق سے جوڑنا محققین کی اولین ذمہ داری ہے۔ شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری نے ان تمام تقاضوں کو بحسن خوبی پورا کیا ہے۔

قرآن وعلوم القرآن پر شیخ الاسلام کی معرکہ آراء تصانیف

۱۔ عرفانُ القرآن (اُردو ترجمہ قرآنِ حکیم)
۲۔ پارہ نمبر 1 تا 4 (قرآن کا سہ لسانی لفظی و بامحاورہ ترجمہ مع نحوی ترکیب)
۳۔ تفسیر منہاجُ القرآن (سورۃ الفاتحہ، جزو اوّل)
۴۔ تفسیر منہاجُ القرآن (سورۃ البقرہ)
۵۔ فَلسفة الحروف المقطعة (تفسیر الم نموذجا) (عربی)
۶۔ اَلْمَوْسُوْعَةُ الْقُرْآنِيَّة: قرآنی انسائیکلوپیڈیا
(8 جلدوں پر مشتمل مجموعہ مضامینِ قرآن)
۷۔ مَناهِجُ الْعِرْفَان فِی لَفْظِ الْقُرْآن (لفظِ قرآن کے معانی و معارف)
۸۔ حروفِ مقطعات کا قرآنی فلسفہ
۹۔ حقانیتِ قرآن کے داخلی دلائل (وجوہِ اعجازِ قرآن)
۱۰۔ الدرر فی فضائل و مطالب السور
۱۱۔ سورۂ فاتحہ اور تعمیرِ شخصیت
۱۲۔ تکوین الشخص الإنسانی فی سورۃ السبع المثانی (عربی)
۱۳۔ اَسمائے سورۂ فاتحہ ۱۴۔ سورۂ فاتحہ اور تصورِ ہدایت
۱۵۔ اُسلوبِ سورۂ فاتحہ اور نظامِ فکر و عمل
۱۶۔ سورۂ فاتحہ اور تعلیماتِ طریقت
۱۷۔ سورۂ فاتحہ اور انسانی زندگی کا اعتقادی پہلو
۱۸۔ شانِ اوّلیتِ سورۂ فاتحہ
۱۹۔ اوّلیتِ سورہ فاتحہ اور اوّلیتِ نورِ محمدی
۲۰۔ سورۂ فاتحہ اور تصورِ عبادت
۲۱۔ حکمتِ اِستعاذہ (تفسیر اَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنَ الشَّيْطَانِ الرَّجِيْم)
۲۲۔ تَسْمِيَةُ الْقُرْآن (تفسیر بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْم)
۲۳۔ فلسفہ تسمیہ
۲۴۔ معارفِ اِسم اللہ

۲۵۔ لفظِ ربُ العالمین کی علمی وسائنسی تحقیق
۲۶۔ صفتِ رحمت کی شانِ امتیاز
۲۷۔ معارفِ آیۃ الکرسی
۲۸۔ معارفُ الکوثر
۲۹۔ کَشْفُ الْغِطَاعَنْ مَعْرِفَةِ الْأَقْسَامِ لِلْمُصْطَفٰی ﷺ عربی)
۳۰۔ شانِ مصطفی ﷺ میں قرآنی قسمیں (کَشْفُ الْغِطَاعَنْ مَعْرِفَةِ الْأَقْسَامِ لِلْمُصْطَفٰی ﷺ)
۳۱۔ العِرْفَانُ فِی فَضَائِلِ وَآدَابِ الْقُرْآنِ {قرآن حکیم اور تلاوتِ قرآن کے فضائل}
۳۲۔ اَلتِّبْیَان فِی فَضْلِ بَعْضِ سُوَرِ الْقُرْآن {قرآن حکیم کی منتخب سورتوں کے فضائل}
۳۳۔ 'کنزالایمان' کی فنی حیثیت
۳۴۔ اَربعین: فضائلِ قرآن پر چالیس اَحادیثِ مبارکہ {زُبْدَةُ الْعِرْفَان فِی فَضَائِلِ الْقُرْآن}
۳۵۔ نص اور تعبیرِ نص
۳۶۔ تحقیقِ مسائل کا شرعی اُسلوب
۳۷۔ فطرت کا قرآنی تصوّر
۳۸۔ تربیت کا قرآنی منہاج
۳۹۔ قرآنی فلسفۂ انقلاب (دو جلدیں)
۴۰۔ قرآنی فلسفۂ تبلیغ
۴۱۔ مقصدِ بعثت انبیاء علیہم السلام
۴۲۔ پیغمبرِ انقلاب اور صحیفۂ انقلاب
۴۳۔ قرآنی فلسفۂ عروج وزوال
۴۴۔ نَهْجُ التَّرْبِيَّةِ الْإِجْتِمَاعِيَّةِ فِی الْقُرْآنِ الْكَرِيْم (عربی)
۴۵۔ المفتوحات الرحمانیۃ فی التفسیرات القرآنیۃ (زیرِ طبع)
۴۶۔ تفسیر القادری (عربی، زیرِ طبع)
۴۷۔ مختصر البیان فی تفسیر القرآن (عربی، زیرِ طبع)
۴۸۔ التفسیر الجُملی (عربی، زیرِ طبع)
۴۹۔ التفسیر التربوی (عربی، زیرِ طبع)

ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کا دورۂ سندھ

''دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور'' عظیم الشان تقاریب رونمائی

رپورٹ: مظہر محمود علوی
(نائب ناظم اعلیٰ سندھ منہاج القرآن انٹرنیشنل)

چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے ماہ فروری 2024ء میں سندھ کا دورہ کیا۔ اس دورہ کے دوران انہوں نے کراچی کے شہری و دیہی علاقہ جات میں مختلف کانفرنسز، ورکرز کنونشنز، بار کونسلز اور یونیورسٹیز میں لیکچرز دیئے۔ علماء و مشائخ سے ملاقاتوں کے ساتھ ساتھ شیخ الاسلام کانفرنسز سے خطابات کئے۔ چیئرمین سپریم کونسل کا دورۂ سندھ 6 دنوں پر مشتمل تھا۔ اس دوران انہوں نے 19 پروگرامز اور سرگرمیوں میں حصہ لیا۔ چیئرمین سپریم کونسل نے دورۂ سندھ کے دوران تصوف اور تعلیمات صوفیاء کے حوالے سے سیہون شریف، کریم آباد شریف اور لاڑکانہ میں صوفی کانفرنسز اور مشائخ عظام کے ساتھ بھرپور علمی و فکری نشستیں منعقد کیں۔ آپ نے سیہون شریف میں منہاج ایجوکیشن کمپلیکس کا سنگ بنیاد رکھا اور درگاہ سخی لال شہباز قلندر، رحمت پور شریف، قمبر شریف، مشوری شریف، درگاہ پیر ذاکری سکرنڈ نواب شاہ اور درگاہ فیض ہاشمی کریم آباد میں حاضری دی اور مشائخ عظام سے ملاقاتیں کیں۔ چیئرمین سپریم کونسل نے صاحبزادہ ابوالخیر محمد زبیر کے والد گرامی کے عرس کی تقریب میں بھی بطور خاص شرکت کی۔

چیئرمین سپریم کونسل منہاج القرآن انٹرنیشنل کے دورۂ سندھ کے سلسلے میں تحریک اور اس کے جملہ فورمز کی انتظامیہ نے بھرپور انتظامات کئے اور دورے کو مثالی بنانے کے لئے ایک نئی مثال قائم کی۔

منہاج القرآن ویمن لیگ کی مرکزی ٹیم محترمہ محترمہ عائشہ مبشر صاحبہ زونل ناظمہ سندھ، محترمہ ام حبیبہ اسماعیل مرکزی ناظمہ زونز اور محترمہ صائمہ نور صاحبہ اس دورہ میں شامل تھیں۔ سید مبشر علی زیدی، حفیظ اللہ بلوچ، ایڈووکیٹ کلیم جٹ، فیض ہاشمی، حاجی تصدق میمن، میر سیف اللہ خان بھنگر انتظامات میں پیش پیش رہے۔

چیئرمین سپریم کونسل کے اس دورہ سندھ کے باعث تنظیمی و دعوتی تحرک پیدا ہوا اور کارکنوں میں ایک نئے جذبے اور ولولے نے جنم لیا۔

☆ حیدر آباد میں شیخ الاسلام کانفرنس منعقد ہوئی۔ اس موقع پر چیئرمین سپریم کونسل نے کارکنان کو نصیحت کی کہ اس پرفتن دور میں اپنے ایمان کی حفاظت کریں اور اپنے آپ کو اللہ والوں کے ساتھ جوڑ کر رکھیں۔ چیئرمین سپریم کونسل نے بھرپور دورۂ سندھ کا اہتمام اور انتظام کرنے پر نائب ناظم اعلیٰ مظہر محمود علوی کی محنت اور کاوش کو بے حد سراہا۔

چیئرمین سپریم کونسل نے اس موقع پر خطاب کرتے ہوئے کہا کہ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارا دین، ایمان، اعتقاد اور نظریات محفوظ رہیں تو ہمیں اللہ تعالیٰ کے مقرب بندوں، بزرگان دین، اولیاء اور صلحاء کی صحبت اختیار کرنا ہوگی۔ شیخ الاسلام کی صورت میں اللہ رب العزت نے ہمیں اس دور کا مجدد عطا کیا ہے۔

اب یہ ہم سب کا فرض بنتا ہے کہ ان کے دست و بازو بنیں اور مصطفوی تعلیمات کو ہر گھر تک پہنچائیں۔

اس تقریب میں ناظم اعلیٰ خرم نواز گنڈاپور، نائب ناظم اعلیٰ صوبہ سندھ مظہر محمود علوی، پیر غلام مجدد سرہندی، پیر غلام اکبر، فقیر علی اکبر، علامہ فاروق سومرو، حفیظ اللہ بلوچ، ڈاکٹر مسعود جمال پاکستان پیپلز پارٹی، سید علی محمد شاہ، کامران پرویز، مٹھل انصاری، سید مشرف علی شاہ، سردار پرکاش سنگھ، سید مبشر علی زیدی، ام حبیبہ اسماعیل، عائشہ مبشر، صائمہ نور، نسرین جمشید، فوزیہ ارشاد سمیت تحریک منہاج القرآن کے جملہ فورمز کے قائدین و کارکنان نے بڑی تعداد میں شرکت کی۔

جنرل سیکرٹری انجمن تاجران حیدر آباد اپنی ٹیم کے ہمراہ تشریف لائے اور معزز مہمانوں کو سندھی ثقافت کی پہچان اجرک پیش کی۔ منہاج القرآن ویمن لیگ کے زیر اہتمام نواب شاہ میں حامد علی کلب میں 27 فروری کو عظیم الشان شیخ الاسلام کا انعقاد کیا گیا جس میں بڑی تعداد میں خواتین نے شرکت کی۔

''دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور'' کے حوالے سے گفتگو کرتے ہوئے چیئرمین سپریم کونسل نے کہا کہ حضور نبی اکرم ﷺ نے ریاستِ مدینہ میں ایک اُمت کا تصور دیا۔ آج

اُمت کو وحدت کی چھتری تلے جمع کرتے ہوئے پھر سے اُمتِ واحدہ کی صورت اختیار کرنا ہو گی۔ انہوں نے نصیحت کی کہ اگر آپ منہاج القرآن کے ممبر ہیں اور شیخ الاسلام کی تعلیمات سے جڑے ہوئے ہیں تو پھر ہر قسم کے تفرقہ، انتہا پسندی سے بچیں، امن کا پیکر بنیں اور اخوت و محبت کا پیغام گھر گھر پہنچائیں۔

کانفرنس میں مرکزی نائب ناظم اعلیٰ سندھ مظہر محمود علوی، ڈویژنل امیر جماعت اسلامی سرور احمد قریشی، علامہ محمد اسلم نوری راہنما جماعت اہلسنت، حفیظ بلوچ، پیر بابا فضل نور قادری، خلیفہ مقصود نقشبندی، حافظ حامد نقشبندی، علی اسد اللہ ایڈووکیٹ، ڈاکٹر کاشف، ارشاد سلطان، عمران بھائی، علی قریشی، مشتاق علی قائم خانی، مصطفےٰ علی کریم قادری، محمد حسن قادری، ذکاء الدین، محمد رمضان بھٹی، منہاج القرآن ویمن لیگ کی ذمہ داران سمیت خواتین و حضرات کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

نائب ناظم اعلی منہاج القرآن سندھ مظہر محمود علوی نے شرکاء کانفرنس سے خطاب کرتے ہوتے ہوئے کہا کہ دور حاضر میں تحریک منہاج القران اور اس کی عظیم قیادت شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ کی یہ تعلیمات ہیں کہ اسلام کا تصور اعتدال و توازن معاشرے میں عام کیا جائے اور یہی اسلام کی تعلیمات میں ایک بنیادی پیغام ہے۔

☆ تحریک منہاج القرآن کے زیر اہتمام آڈیٹوریم ہال پائلٹ سکول لاڑکانہ اور علماء و مشائخ عظام کانفرنس سے خطاب کرتے ہوئے چیئرمین سپریم کونسل نے کہا کہ علمائے کرام و مشائخ عظام منبرِ رسول ﷺ سے بین المسالک ہم آہنگی، بین المذاہب رواداری اور اتحادِ اُمت کا درس دیں۔ یہ وقت اتحاد و اتفاق سے کام کرنے کا ہے۔ اُمت مسلمہ کو متحد کرنا علماء کرام کا دینی فریضہ اور وقت کی ناگزیر ضرورت ہے۔ حضور نبی اکرم ﷺ کی ذات سے تعلق و محبت اور آپ ﷺ کی تعلیمات پر عمل پیرا ہو کر زندگی کے ہر شعبہ کیلئے رحمت و برکت حاصل کرنا ہو گی تاکہ دنیا امن و سلامتی کا گہوارہ بن سکے۔ معاشرے میں بھائی چارے، رواداری، برداشت اور تحمل کے جذبات کو فروغ دینے کی ضرورت ہے۔ اس امر کو یقینی بنانا ہو گا کہ کوئی امن کا دشمن ہمارے اتحاد، یکجہتی اور باہمی بھائی چارے کو پارہ پارہ نہ کر پائے۔

اس موقع پر میر سیف اللہ خان بھنگر، علی قریشی، غلام مصطفی، یونس دھامرہ، امجد پھنور، سید حفیظ اللہ شاہ، بلوچ، عبدالعزیز شیخ، سید سجاد شاہ، مہمانان گرامی میں سید اظہر شاہ جیلانی، خادم حسین قادری، دیدار علی سومرو، کاظم عباسی، سید عطاء اللہ لک یاری، پیر سید محمد رفیع اللہ شاہ درگاہ رحمت پور، علامہ پیر غلام مجتبیٰ شاہ جیلانی، پیر محمد بھورل شاہ جیلانی، پیر محمد شاہ بخاری اور نزیر احمد سولنگی نے چیئرمین سپریم کونسل کا پرتپاک استقبال کیا۔

☆ چیئرمین سپریم کونسل نے قائد ڈے کے سلسلے میں بھان سید آباد میں ویمن لیگ کے زیر اہتمام منعقدہ شیخ الاسلام کانفرنس میں خصوصی شرکت کی اور خطاب کیا۔ کانفرنس میں نائب ناظم اعلیٰ سندھ مظہر محمود علوی، منہاج ویمن لیگ کی مرکزی ذمہ داران اُم حبیبہ اسمٰعیل، عائشہ مُبشر، صائمہ نور سمیت مقامی ذمہ داران وکارکنان نے شرکت کی۔ تقریب کے اختتام پر چیئرمین سپریم کونسل نے شیخ الاسلام دامت برکاتہم العالیہ کی 73ویں سالگرہ کا کیک کاٹا اور ان کی درازیٔ عمر کی دعا کی۔

☆ ''دستورِ مدینہ اور فلاحی ریاست کا تصور'' کے موضوع پر محترم چیئرمین سپریم کونسل کی حالیہ دورہ سندھ کے موقع پر 5 تقاریب منعقد ہوئیں جن میں 50 نامور علمی شخصیات نے شرکت کی اور اظہار خیال کیا۔ شرکائے تقاریب نے مفصل تحقیق پر ڈاکٹر حسن محی الدین قادری کو شاندار الفاظ میں مبارکباد دی اور اس کتاب کو اُمت مسلمہ کا بیش قدر علمی اثاثہ قرار دیا۔

☆ ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن حیدر آباد میں اظہار خیال کرتے ہوئے ڈاکٹر حسن محی الدین قادری نے کہا کہ انتہا پسندی، عدم برداشت کے خاتمے کیلئے دستور مدینہ کے آرٹیکلز سے استفادہ کیا جائے۔ میثاق مدینہ واحد ڈاکومنٹ ہے جو کرہ ارض کا پہلا تحریری دستور بنا اور یہ دستور خاتم النبیین ﷺ کی قیادت اور سرپرستی میں تحریر کیا گیا۔ اسی دستور سے ریاست مدینہ تشکیل پائی اور دنیا کو پہلی بار اسلامی، جمہوری، سیاسی، معاشی اصول میسر آئے اور انسانیت فلاح عامہ اور بین المذاہب رواداری کی اقدار سے روشناس ہوئی۔

تقریب میں ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن حیدر آباد کے صدر کے جی لغاری ایڈووکیٹ، جنرل سیکرٹری فیصل مغل ایڈووکیٹ، محمد یوسف راپوٹو ایڈووکیٹ نے چیئرمین سپریم کونسل کا استقبال کیا اور انہیں شاندار خطاب پر مبارکباد دی۔ تقریب میں صدر کے جی لغاری جنرل سیکرٹری فیصل مغل، نائب صدر عمران آرائیں، جوائنٹ سیکرٹری نورین شیخ، سینئر ایڈووکیٹ ہائی کورٹ ایاز حسین، سینیئر ایڈوکیٹ محمد یوسف راہ پوٹو، مفتی مکرم خان قادری، سید ظفر اقبال شاظ، حفیظ اللہ بلوچ، سید کامران پرویز، سید مبشر شاہ، وقار یونس قادری، مشتاق احمد قائم خانی، باجی ام حبیبہ اسماعیل، باجی عائشہ مبشر اور باجی صائمہ نور شریک تھیں جبکہ وکلاء کی بڑی تعداد نے شرکت کی۔

☆ ڈسٹرکٹ بار کونسل نواب شاہ میں شاندار تقریب رونمائی ہوئی جس میں کلیم جٹ ایڈوکیٹ، صدر ڈسٹرکٹ بار ایسوسی ایشن شہید بے نظیر آباد ایاز علی گوپانگ ایڈووکیٹ، نائب صدر خالد حسین سرھیو ایڈووکیٹ، جنرل سیکرٹری علی رضا چنہ ایڈووکیٹ، جوائنٹ سیکرٹری جی ایم خاصخلی ایڈووکیٹ،

فنانس سیکرٹری سکندر علی کیریو ایڈووکیٹ، سیکرٹری لائبریری شبانہ نورین ایڈووکیٹ، محمد کلیم جٹ ایڈووکیٹ سمیت وکلاء کی کثیر تعداد نے شرکت کی۔ تقریب میں نائب ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن سندھ مظہر محمود علوی حفیظ اللہ بلوچ، علی قریشی، مشتاق احمد قائم خانی، کاشف قادری، ڈاکٹر کاشف، ڈاکٹر نگہت نے شرکت کی۔ چیئرمین سپریم کونسل نے نواب شاہ میں اعلیٰ عدالتی افسران اور ججز سے بھی ملاقات کی اور دستور مدینہ کے موضوع پر سیر حاصل گفتگو کی گئی۔

☆ دستور مدینہ اور فلاحی ریاست کے تصور کے موضوع پر شہید بے نظیر بھٹو یونیورسٹی نواب شاہ میں بھی عظیم الشان تقریب منعقد ہوئی۔ تقریب سے وائس چانسلر پروفیسر ڈاکٹر امانت علی جلبانی، نائب ناظم اعلیٰ تحریک منہاج القرآن سندھ مظہر محمود علوی، ڈاکٹر سلمان بشیر (ڈین FST) سہیل اسلم، ڈاکٹر تانیہ لغاری، ڈاکٹر انیقہ، منظور علی سیال نے شرکت کی اور اظہار خیال کیا۔

☆ چیئرمین سپریم کونسل نے اپنے دورۂ سندھ کے موقع پر لاڑکانہ پریس کلب کے زیر اہتمام منعقدہ تقریب میں شرکت کی۔ اس موقع پر انہوں نے اظہار خیال کرتے ہوئے کہا کہ صحافت پیغمبری پیشہ ہے، صحافی سوسائٹی کی آنکھ اور کان ہیں، حق بات سننا اور پہنچانا ہمارا دینی فریضہ ہے۔ اس موقع پر صدر پریس کلب مرتضیٰ کلورو، نائب ناظم اعلیٰ سندھ مظہر محمود علوی، جنرل سیکرٹری پریس کلب نوید لارک، انیس علی قائم خانی، علی قریشی، سیف اللہ خان بھنگر ایڈووکیٹ نے اظہار خیال کیا۔

☆ چیئرمین سپریم کونسل نے اپنے دورۂ سندھ کے دوران منہاج ایجوکیشنل کمپلیکس سیہون شریف کا سنگ بنیاد رکھا۔ یہ کمپلیکس 2 ایکڑ پر مشتمل ہے جہاں سکول، مسجد، کالج، فنی و تکنیکی تعلیم کا سنٹر اور منہاج القرآن کا اسلامک سنٹر تعمیر ہوگا۔ اس موقع پر نائب ناظم اعلیٰ سندھ مظہر محمود علوی، پیر کرم اللہ الٰہی المعروف دلبر سائیں سجادہ نشین درگاہ فضل آباد شریف ماتلی، پیر علی نواز ہاشمی درگاہِ فیض ہاشمی کریم آباد شریف سمیت دیگر علماء کرام اور تحریک منہاج القرآن کے ذمہ داران و کارکنان بھی موجود تھے۔

(جاری ہے)

51 واں

اِن شاءاللہ

سالانہ عُرس مبارک

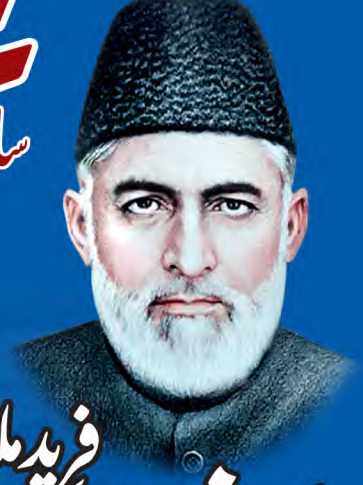

فریدِ ملت ڈاکٹر فریدالدّین قادری رحمۃ اللہ علیہ

والدگرامی

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری دامت برکاتہم العالیہ مدظلہ

16 شوال 1445ھ

بمقام

دارالعلوم فریدیہ قادریہ ملحقہ دربار فریدِ ملت
بستی لوہلے شاہ جھنگ صدر

زیرِ صدارت
صاحبزادہ محمد صبغت اللہ قادری
ایڈمنسٹریٹر دربار فریدِ ملت

زیرِ نگرانی
علامہ حافظ عبدالقدیر قادری
ڈائریکٹر دارالعلوم ہذا

چیف آرگنائزر
محمد جوّاد حامد
نائب ناظم اعلیٰ ایڈمنسٹریشن و اجتماعات
منہاج القرآن انٹرنیشنل

خصوصی آمد مرکزی قائدین، مشائخ و سکالرز

پروگرام

قرآن خوانی
بعد نماز فجر تا ظہر

غسل دربار شریف
بعد نماز ظہر

چادر پوشی
بعد نماز عصر

محفل ذکر مصطفیٰ ﷺ
بعد نماز مغرب

خصوصی خطاب
بعد نماز عشاء

صاحبزادہ محمد طاہر قادری و تحریکِ منہاج القرآن جھنگ
0334-6331063 , 0333-6767094

Monthly
MINHAJ-UL-QURAN LAHORE
APR-2024
Regd CPL No.41

شہر اعتکاف 2024

تزکیۂ نفس، تصفیۂ قلب،
فہمِ دین، اِصلاحِ اَحوال،
تہذیبِ اَخلاق اور روحانی
تربیت و ترقی کا مرکز

شہر اعتکاف میں فکر انگیز خطابات کی سیریز

خُدا کو کیوں مانیں؟

مذہب کیوں اپنائیں؟

خصوصی خطابات

شیخ الاسلام ڈاکٹر محمد طاہر القادری
دامت برکاتہم العالیہ

پاکستان 12:00 بجے رات

کینیڈا 3:00 بجے دوپہر	بیجنگ 3:00 بجے رات
یورپ 9:00 بجے رات	جاپان 4:00 بجے صبح
یوکے 8:00 بجے رات	آسٹریلیا 6:00 بجے صبح

SCAN TO SUBSCRIBE

Will be Live on
YouTube /DrQadri
TahirulQadri

MINHAJ